مترجمین:

محمد نعمان، فہیم جاوید، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

سب سے مقدم: سماجی وثقافتی لسانیات میں نئے میلانات

میری بکلٹز (Mary Bucholtz)، یونی ورسٹی آف کیلفورنیا (University of California)
سانتا باربرا (Santa Barbara) اور
کیرا ہال (Kira Hall)، یونی ورسٹی آف کولوراڈو (University of Colorado)

As the history of sociolinguistics and linguistic anthropology shows, a sharp distinction between these fields and others concerned with the sociocultural investigation of language is untenable given their significant common ground. The article describes the current state of relations between sociolinguistics, linguistic anthropology, and similar approaches to language, culture, and society. It then locates theoretical, methodological, thematic, and political points of commonality and explores emerging areas of productive dialogue among these closely overlapping research traditions. Two analytic examples, one focused on race talk in sociolinguistic interviews with European American youth and the other on ideologies of English among sexual and gender minorities in India, illustrate the benefits of bringing together different branches of sociolinguistics and linguistic anthropology.

تعارف

۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کی دہائی میں زبان، ثقافت اور سماج کے امریکی محققین نے کئی قسم کے نظریاتی اور طریقیاتی پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ایسے شعبے کی تخلیق کے لیے سفارش کی جو کہ زبان کو سماجی اور ثقافتی زندگی کے محور میں نمایاں مقام عطا کر سکے۔ اس منصوبے نے دانش ورانہ اور بین المضامینی شعبے خاص طور پر بشریات، عمرانیات، نفسیات اور لسانیات میں ہر لحاظ سے تحریک پیدا کر دی تھی۔ امریکہ میں جن محققین نے اس شعبے کی تصوراتی اور ادارتی بنیادیں رکھیں ان میں رچرڈ باؤمین (Richard Bauman)، ولیم برائٹ (William Bright)، سوسن ارون ٹرپ (Susan Ervin-Tripp)، چارلس فرگوسن (Charles Ferguson)، جوشوا فش مین (Joshua Fishman)، ارونگ گاف مین (Erving Goffman)، جان گمپرز (John Gumperz) ڈیل ہائمز (Dell Hymes)، گیل جیفرسن (Gail Jefferson)، ولیم لیبو (William Labov)، ہاروے سیکس (Harvey Sacks)، گیلین

سینکاف(Gillian Sankoff)،امانوئل شی گلف(Emanuel Schegloff)اور جوئیل شرزر(Joel Sherzer) جیسے دیگر محققین سرفہرست ہیں۔ان محققین نے زبان کے سماجی اور ثقافتی رجحان کے متعلق ہر قسم کے نقطۂ نظر کو نمایاں انداز میں پیش کیا اور جن اصطلاحات کو مزید پختہ بنایا ان میں متفرق سماجی لسانیات،مواصلات کی نسل نگاری اور باہمی طور پر اثر انداز ہونے والی سماجی لسانیات، مکالماتی تجزیہ، علامتی باہمی عوامل اور زبان کی عمرانیات شامل ہیں۔اس نشوونما نے زبان،ثقافت اور سماج سے تعلق رکھنے والے مضامین کی باہمی تفتیش کی قیادت بھی کی ہے۔اس تفتیش کے دوران سماجی لسانیات (Sociolinguistics) کے عنوان کو تحقیق کے دیگر علاقوں کے لیے مجموعی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا گیا۔ایسے متفاوت نقطہ نظر کو، جو اپنی نظریاتی اور طریقیاتی خصوصیات کے لحاظ سے مختلف تھے،ابتدائی طور پر ان کو ہم سری کے بجائے تقابلی پہلو میں ڈھال دیا گیا۔جس کی تصدیق مختلف مضامین کی تحقیق پر مشتمل ترمیم شدہ جلدوں کی ایک بڑی تعداد کی مدد سے کی گئی (بآمن اور شرزر (Bauman and Sherzer 1974)[1]؛ برائٹ(Bright 1966)[2]؛ گیگلیولی(Giglioli 1972)[3]؛ گمپرز اور ہائمز(Gumperz and Hymes 1964)[4]؛ ہائمز (Hymes 1964)[5]؛ پرائیڈ اور ہومز(Pride and Holmes 1972)[6]۔جیسا کہ ڈیورانٹی(Duranti 2003:328) تحریر کرتا ہے کہ اس عرصے میں سماجی لسانیات اور لسانی بشریات کے درمیان عقلی اور اداراتی لحاظ سے ایک گہرا ربط لسانی بشریات کے اُن ماہرین سے ہے جو علم کے دیگر شعبوں میں زبان کے موضوعات پر تحقیق میں مشغول ہیں نہ کہ اُن ماہرین سے جو بشریات کی ذیلی شاخوں میں دسترس رکھتے ہیں[7]۔ عین اسی وقت میں وہ علما جو اس تحقیق کا حصہ بنے وہ یکساں طور پر انفرادیت اور تادیبیت سے جڑ گئے کیوں کہ اُنہوں نے زبان کی سماجی اور ثقافتی تحقیق کو سماجی علوم میں قانونی طور پر ذیلی مہارتی مضمون کا درجہ دیا۔

ان کے ابتدائی لائحہ عمل کے نتیجے میں جو اصطلاحاتی بہاؤ وجود میں آیا وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اُس دور کے علما ایک ہی وقت میں اپنے مضامین اور بین المضامین سے واقفیت رکھتے تھے۔مثال کے طور پر میں ہائمز (Hymes 1974) نے اپنی علمی حدود کے لیے ایک اصطلاح لسانی بشریات (linguistic anthropology) تجویز کی اور جس کی تعریف اِس طرح کی: "The study of language within the context of anthropology." (1964: xxiii)[8]۔

جب کہ ایک دہائی کے بعد یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ یہ اصطلاح ایک دوسری اصطلاح بشری لسانیات (anthropological linguistics) کے غیر معمولی استعمال کی وجہ سے معدوم ہوگئی ہے، ہائمز (Hymes) نے حقیقی عملی وجوہات کی بنا پر اپنی اصطلاحات پر نظر ثانی کی، جن میں سے چند اصطلاحات کو اس تحقیق کا حصہ بھی بنایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر لسانیات اور بشریات کے باہمی تعلق کو ظاہر کرنے والے تحقیقی مضامین میں سماجی لسانیات کی اصطلاح سب سے زیادہ استعمال ہوتی ہے (Hymes 1974;83-85)[9]۔اس سے زیادہ دل چسپی کی بات یہ ہے کہ اس تحریر کے

اصلی نسخے میں جو1974ء کے باب سے بحث کرتا ہے، ہائمز نے سماجی لسانیات کی ایک جامع تعریف بھی تجویز کی، جس کے مطابق سماجی لسانیات تحقیقی تناظر میں اُس شاخ کو کہتے ہیں جو لسانیات کے بشریات اور عمرانیات کے ساتھ باہمی تعلق سے بحث کرتی ہے۔(1971-47) اسی طرح سماجی لسانیات کی حدود میں ہونے والی عملی اصلاحات کو ظاہر کرنے کے لیے عمرانیات کو1971ء اور1974ء کے نسخوں سے حذف کر دیا گیا۔ بشریات اور لسانیات کے سماجی لسانیات سے متعلقہ نظریات کے درمیان فرق اس وقت واضح ہونا شروع ہو گیا تھا جب زبانی واقعات کی تحقیقات میں سے، جن میں ہائمز(Hymes 1974)[10] اور گمپرز(Gumperz 1982)[11] کی مستعمل مشقیں شامل ہیں، آخر الذکر معاشرے سے متعلق معلومات پر مشتمل خاکوں کی مدد سے سابقہ تحقیق کو دیکھتے ہوئے لسانیات میں ہونے والی ترامیم اور اس کے لسانی ڈھانچے پر روشنی ڈالتی ہیں۔1980ء کی دہائی میں، سماجی لسانیات کی اصطلاح ہائمز(Hymes) اور دیگر محققین کی تصوراتی حدود میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ ترجیحاً یہ اصطلاح زیادہ تر لسانی شعبوں میں زبان اور معاشرے سے جُڑے مقداری نقطۂ نظر کے لیا ستعمال کی جاتی تھی۔ اس مرحلے پر تادیبی تخصیص کاری نے جنم لیا جب کہ شماریاتی تجربات اس نئی تنگ نظری کے لحاظ سے صرف سماجی لسانیات تک مخصوص ہو کر رہ گئے تھے اور بشریاتی لسانیات کے عنوان کے تحت نسلی جغرافیائی تحقیق کا کام مکمل طور پر تو نہیں لیکن وسیع پیمانے پر کیا گیا جب کہ مختلف قسم کے مکالموں سے تجزیات کو ان دونوں مضامین میں شامل کیا گیا۔ گفت گو کے تجزیات کے لیے لسانیات میں ایک علیحدہ ذیلی شعبے کا مقام برقرار رکھا گیا ہے۔ حالاں کہ یہ شعبہ علیحدہ مقام رکھنے کے باوجود گفت گو کے سماجی وثقافتی پہلوؤں پر مرتکز نہیں تھا لیکن اس کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ لسانی شعبوں کے ماہرین نے خصوصی طور پر سماجی لسانیات پر تحقیق کو جاری رکھا تا کہ مختلف مضامین میں زبان کے سماجی وثقافتی نقطہ نظر کو فروغ دیا جا سکے۔

وہ مبصرین اور شخصیات جنھوں نے سماجی وثقافتی لسانیات میں اصلاحات کے ارتقا کے عمل میں مرکزی کردار ادا کیا ان میں ڈیورانٹی(Duranti 2001, 2003)[12،13] گمپرز(Gumperz 1972, 1982, 1999)[14،15،16]، کورنر(Koerner 1991)[17]، لرنر(Lerner 2004)[18]، مورے(Murray 1998)[19] پالسٹن اور ٹکر(Paulston and Tucker 1997)[20] اور شوئے(Shuy 1990)[21] سرفہرست ہیں۔ اس لیے ہم یہاں اس تاریخی پس منظر کو مقالے کی زینت بنانے کے بجائے زبان، ثقافت اور سماج کے اصلی تصورات کو تحقیق کے وسیع میدان کے حوالے سے بیان کریں گے۔ ہم گذشتہ تحقیقی روایت کی بنیاد پر نئی نظریاتی اور طریقیاتی پیش رفت کو عملی طور بیان کرنے کی کوشش کریں گے جو بین المضامینی تعلقات کی تصدیق کرتی ہے۔ مثال کے طور پر، inter alia جس کے معنی 'دوسری چیزوں کے درمیان میں' کے ہیں، ایک نیا لفظ ہے جو قانونی دستاویزات اور تحریروں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طرح کے کئی الفاظ اس تحقیق میں شامل مضمون نگاروں کی ایک کاوش ہے۔

اگر چہ سماجی لسانیات، لسانی بشریات اور اُس سے تعلق رکھنے والی علم کی دیگر شاخوں پر سابقہ مباحثے امریکہ کے

سیاق وسباق میں بیان کیے گئے ہیں جس سے ہم اچھی طرح واقف ہیں، لیکن یہاں پہ اس بات کا ذکر کرنا زیادہ اہم ہے کہ تحقیق کا یہ میدان اپنے وسیع دائرہ کار کی وجہ سے دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی اہمیت کا حامل ہے اور اس پر تحقیق کا عمل جاری ہے۔ زبان پر سماجی وثقافتی تحقیق کا دائرہ کافی عرصہ پہلے بین الاقوامی سطح تک پھیل چکا تھا جن میں افریقہ، ایشیا، بحرالکاہل، یورپ اور جنوبی وشمالی امریکہ سرفہرست ہیں۔ اس تحقیق کا ایک بڑا حصہ لسانیات کے ذیلی مضامین میں تحقیقات کے ذریعے مکمل ہو چکا ہے۔ لسانیات کے ذیلی مضامین میں سماجی لسانیات (sociolinguistics)، اطلاقی لسانیات (applied linguistics)، تجزیہ کلامیہ (discourse analysis) اور خیال اور اظہار کنندہ کا باہمی مطالعہ (pragmatics) شامل ہیں۔ اس کے برعکس بہت سے دیگر ممالک کے محققین نے لسانی بشریات کو امریکی دانش ورانہ روایت کے طور پر سمجھا ہے۔ اگرچہ لسانیات نے شمالی امریکہ کے تناظر سے ہٹ کر دوسرے ممالک میں موجود محققین کو بہت متاثر کیا، جن میں بلومیٹ (Blommaert 2005)[۲۲] اور ریمپٹن (Rampton 2007)[۲۳] سرفہرست ہیں۔ مثال کے طور پر گمپرز (Gumperz 1982)[۲۴] کا تصورِ متنیات (concept of contextualization) برطانیہ اور یورپ میں باہمی ثقافتی تعلقات پر تحقیق کے لیے ایک بنیادی نظریہ ثابت ہوا۔ رابرٹ، ڈیوس اور جپ (Roberts, Davies and Jupp 1992)[۲۵] اور اس کے ساتھ ساتھ ایور اور دی لُوزیو (Auer and Diluzio 1992)[۲۶] کا متن کا نظریہ اور بآمن (Bauman) اور دیگر محققین کی ادبی صنف پر مختلف لسانی بشریاتی تحقیقات یورپ میں غیر تحریری ادب کا حصہ بنے۔ نوبلیچ اور کتھوف (Knoblauch and Kotthoff 2001)[۲۷]، سلورسٹین اور ولارڈ (Silverstein and Woolard)، شیفلن (Schieffelin) اور لسانی بشریات کے دیگر امریکی ماہرین کی زبان کے نظریات پر تحقیق نے برطانیہ میں بلومیٹ اور رمزے (Blommaert 1999; Rumsey 1990)[۲۸، ۲۹] کی تحقیق کو متاثر کیا۔ اس کے علاوہ ہائمز (Hymes) کی مواصلات کے نسلی جغرافیے پر تحقیق نے ریمپٹن (Rampton)، مبین (Maybin) اور ٹسٹنگ (Tusting 2007) کی لسانی نسلیاتی جغرافیے کی برطانیہ کے تناظر میں تحقیق کو متاثر کیا۔

اس طرح سماجی لسانیات اور لسانی بشریات کے تحقیقی دائرہ کار میں پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ اس کے ذیلی مضامین جیسا کہ تجزیہ کلامیہ، تجزیہ گفت گو اور دوسری شاخوں کی ترقی نے زبان، ثقافت اور سماج میں تحقیق کے لیے ایک بین المضامینی سوچ کی بنیاد رکھی۔ یہ تمام مضامین ایک ہی مضمون کے ذیلی عنوانات نہیں ہیں بل کہ مختلف مضامین کا ایک اتحاد ہے جو بہت سے تکمیلی نظریات کے درمیان باہمی تعلق کو فروغ دیتا ہے۔ گذشتہ چند سالوں میں محققین نے جدید نظریاتی اور طریقیاتی نقطہ نظر سے چند سوالوں اور نظریات کو تخلیق کر کے ان مضامین کے باہمی تعلق کو فروغ دیا ہے۔

ہم ابھی تک زبان، ثقافت اور سماج پر موجود تحقیق کے بنیادی خیالات اور ترجیحات کو زیر بحث لائے ہیں۔ اب ہم اپنی تحقیق کی دو مثالوں کے ذریعے سے وضاحت کریں گے کہ کس طرح مختلف طریقے اور نظریے اپنے باہمی تعلق سے مفید

ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں مثالیں عصر حاضر میں ہونے والی سماجی وثقافتی لسانی تحقیق کا جائزہ لینے کا ایک ذریعہ ہیں جو تحقیق کے بنیادی ماخذ بیان کرتی ہیں۔ان کا تعلق معاشرتی شناخت کی لسانی بناوٹ سے ہے۔اس کے علاوہ یہ متکلم کی انفرادی سوچ کے معاشرے کی ساخت اور عوامل کے ساتھ باہمی تعلق پر بھی بحث کرتی ہیں۔پہلی مثال میں سماجی وثقافتی لسانیات کے علمی کام (scholarship) میں لسانی اعداد وشمار کو اکٹھا کرنے کے عمل کے دوران محقق کے کردار سے پیدا ہونے والے بین المضامینی تصور کے بنیادی نقطہ نظر کو بیان کیا گیا ہے۔تحقیقی مصاحبے (research interview) سے بحث کرنے والے مکالمی تجزیوں (conversation-analytic) اور لسانی بشریاتی نظریات کی مدد سے مقداری سماجی لسانیات (quantitative sociolinguistics) میں تحقیقی مقالات کے دوران نسلی درجہ بندیوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔تاکہ اس بات کا مشاہدہ کیا جا سکے کہ نسلی درجہ بندی کو کس طرح جامد غیر اندرونی متغیر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جو لسانی تبدیلیوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔دوسری مثال لسانی بشریات کے مختلف نظریات اور تحقیقی طریقہ کار پر روشنی ڈالتی ہے کہ کس طرح یہ انگریزی زبان کے بین الاقوامی تناظر میں سماجی لسانیات اور اطلاقی لسانیات کے مختلف نظریات کو بہتر بناتے ہیں۔ان مثالوں کا تجزیہ زبان کے استعمال پر عالم گیریت کے اثرات کو جدیدیت کے مرکزی خیال اور بیرونی حدود کے تناظر میں بیان کرتا ہے۔

بین المضامینی تحقیق میں اس علمی کام سمیت دوسری بہت سی لڑیاں آپس میں متحد ہو کر یہ واضح کرتی ہیں کہ زبان ،ثقافت اور سماج پر تحقیق کے لیے دانش ورانہ اتحاد مضبوط ہو چکا ہے۔محققین کی آسانی اور وضاحت کے لیے اتحاد سے مراد سماجی وثقافتی لسانیات کی اصطلاح ہے۔اس اصطلاح کا استعمال لسانیات کے شعبے سمیت کسی بھی شعبے میں زیادہ نہیں پایا گیا۔تاہم دوسری اصطلاحات جیسا کہ سماجی لسانیات بھی اپنے وسیع تحقیقی مدار کے اندر اسی تناظر میں استعمال کی جاتی ہے۔یہ اصطلاح لسانی تحقیق میں سماج اور ثقافت کے کردار کو نمایاں کرتی ہے۔اس اصطلاح کے استعمال کا مقصد کسی بھی مضمون کی علمی حدود کی خلاف ورزی کرنا نہیں بل کہ مختلف مضامین کے باہمی اتحاد کو فروغ دینا ہے۔ہمیں اس بین المضامینی اتحاد کو معاشرے میں مزید اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے جو پہلے ہی ترقی کی بہت سی منازل طے کر چکا ہے لیکن بدقسمتی کے ساتھ اس کے وجود کو ابھی بھی کوئی قابل ذکر شناخت نہیں مل سکی۔زیر نظر مقالہ سماجی وثقافتی لسانیات کے اُن پہلوؤں سے بحث کرتا ہے جو سماجی وثقافتی لسانیات کو جنم دیتے ہیں اور اپنی مشترکہ حدود میں نظر آتے ہیں لیکن ان کا باہمی اشتراک پیچیدگی کا شکار ہے جس کا تذکرہ جگہ کی کمی کے باعث اس مقالے میں نہیں کیا جا سکا۔

اس سے قبل کہ ہم اپنے تحقیقی نقطۂ نظر کی طرف متوجہ ہوں،ہمیں اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ سماجی لسانیات اور لسانی بشریات کی ساخت کی فروغ پذیری اور موجودہ کیفیت سے آگاہی میں ان محققین کی تحقیق بہت اہم ہے جنھوں نے 1990ء کی دہائی میں لسانیات کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی اسناد یونی ورسٹی آف کیلفورنیا، برکلی سے حاصل کیں۔ہمارے ادارے کے طالبِ علموں کی تربیت کے دوران انہیں مختلف مضامین کے باہمی تعلق سے روشناس کروایا گیا۔اُن کی تربیتی

نصاب میں بشریات، انگریزی، نفسیات، عمرانیات اور تعلیم نسواں سے متعلقہ مواد بھی شامل کیا گیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُنہیں ان تمام مضامین کی حدود سے بھی آگاہ کیا گیا جو اِنہیں لسانیات سے علیحدہ کرتی ہیں۔ یونی ورسٹی کے طالبعلم کی حیثیت سے ہم ایک ہی ذہن کے محققین کو دنیا میں ہونے والی مختلف کانفرنسوں میں تلاش کرتے ہیں۔ جیسا کہ امریکی بشریاتی تنظیم (American Anthropological Association) (جہاں سے ہمیں بہت سارے متشابہ ذہن رکھنے والے محققین ملے)۔ اسی طرح امریکی تنظیم برائے اطلاقی لسانیات (American Association for Applied Lingusitics) اور جدید لسانی تنظیم (Modern Language Association) میں تبدیلیوں کے تجزیے کی نئی راہوں کے ساتھ ساتھ ہم نے محققین کی ایک بڑی تعداد کو تلاش کیا اور انہیں اپنے ادارے کے شعبے میں دعوت دی جس میں زبان اور صنف پر مختلف کانفرنسوں کا بھی انعقاد کیا جیسا کہ برکلی ویمن اینڈ لینگوئج گروپ (Berkeley Woman and Language Group) کا (جو بعد میں بین الاقوامی صنف اور زبان کی ایسوسی ایشن (International Gender and Language Association) قرار پائی) بہت اہم کردار ہے۔

ہماری محققانہ سوچ کو پروان چڑھانے میں مزید کردار ہمارے 1990ء کے تجربات کا ہے جب تعلیمی میدان ملازمتوں کی منڈی سے منسلک تھا۔ جس کی وجہ سے ہم نے اپنے تخصیصی شعبوں کے علاوہ دوسرے مضمون میں اسناد حاصل کیں۔ اس دوران ہم نے آٹھ مختلف مضامین کے شعبوں میں ملازمت کے لیے درخواستیں جمع کروائیں جن میں سے ہمیں تین شعبوں میں ملازمت ملی جو بشریات، انگریزی اور لسانیات تھے۔ ہمارے اپنی مہارت کے مضامین کے علاوہ دوسرے مضامین میں بھی کاوشوں کی وجہ سے تحقیق کے مختلف نظریات کو جوڑنے کے حوالے سے ہمیں محققین کی ایک بڑی تعداد سے مثبت آرا دیکھنے کو ملیں۔ اس طرح ہم نے مختلف مضامین کی حدود اور اُن کے باہمی ملاپ پر تحقیق کی۔ جس میں لسانیات بہ طور علیحدہ شعبے (مثلاً بشریات) سے لے کر لسانیات اور بشریات کے باہمی تعلق کے تمام نظریات پر تحقیق کا موقع ملا۔ اِن مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ لسانیات کے مضمون پر اس کے مرکز کے بجائے اس کے دوسرے مضامین کے ساتھ باہمی تعلق پر تحقیق کرنا علمی لحاظ سے زیادہ مفید ہے۔ اس بات کا ادراک دنیا میں مختلف مضامین سے تعلق رکھنے والے محققین کی ایک بڑی تعداد نے بھی کیا کہ لسانیات میں تحقیق کو بین المضامینی تناظر میں فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

ہم نے اپنی تحقیق کے دوران جن تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا ہے، اس مقالے میں ہم نے ان تمام تبدیلیوں کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور تعلیمی میدان پر ان تبدیلیوں کے سبب ہونیوالے اثرات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ اس مقالے کے اگلے حصے میں ہم نے اس بات پر زور دیا کہ لسانیات کے دوسرے مضامین کے ساتھ باہمی تعلق کو ظاہر کرنے سے مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم اس مضمون کی دوسرے مضامین کے ساتھ مختلف تضادات کو منظر عام پر لانا چاہتے ہیں یا اُن کی حدود کو ختم یا نظرانداز کرنا چاہتے ہیں بل کہ اس تحقیق کا مقصد مختلف مضامین اور لسانیات کے مشترکہ نظریات پر توجہ دلانا ہے جو اُن

مضامین کے انتہائی مخصوص عنوانات پر تحقیق کے دوران نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔ چوں کہ اس نقطۂ نظر کو زیرِ نظر مقالے میں مختلف پہلوؤں کے تناظر میں بیان کیا گیا ہے اس لیے اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس مقالے پر دوسرے مضامین سے تعلق رکھنے والے محققین اپنے تجربات اور تعلیمی نقطۂ نظر کے مطابق مختلف خیالات کا اظہار کریں گے۔ اس مقالے کے آخر میں جان گمپرز (John Gumperz) جینی کک گمپرز (Jenny Cook-Gumperz) اور بن ریمپٹن (Ben Rampton) نے بھی اضافی خیالات کا اظہار کیا ہے۔

سماجی و ثقافتی لسانیات میں سمتوں کا تعین

سماجی و ثقافتی لسانیات کی ساخت کا تعلق بہ طور ایک بین المضامینی مضمون کے نظریات، تحقیقات یا عنوانات کے بجائے ایک سادہ سوال سے ہے کہ زبان کا عملی یا مشاہداتی مطالعہ کس طرح سے سماج اور ثقافت کے نظام کو فروغ دیتا ہے۔ اس تحقیق میں طریقوں، نظریات، سماجی و ثقافتی معاملات لسانی تصورات اور سیاسی مقاصد کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کا اصل مقصد سماجی و ثقافتی لسانیات کے وسیع دائرہ کار پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ سماج اور ثقافت کے تحقیقی مطالعہ کے دوران زبان کو محورِ تعلیم قرار دینے سے بھی ہے۔

سماجی و ثقافتی لسانیات کے طریقیاتی عزائم کا تعلق مقداری اور وسیع پیمانے پر تحقیق کے ساتھ ساتھ تجزیاتی اور چھوٹے پیمانے پر مشاہدات پر مبنی نظریات کے ساتھ بھی ہے۔ جن میں بشریات اور عمرانیات کے لحاظ سے نسلی جغرافیائی تحقیق جب کہ بشریاتی، سماجی، سماجی و نفسیاتی اور لسانی روایات کے تناظر میں تجزیہ کلامیہ سرفہرست ہیں۔ نسل نگاری اور تجزیہ کلامیہ کیساتھ ساتھ بہت سارے دوسرے تحقیقی میدانات، مابعد ساختیاتی نظریات "poststructuralist discourse" سے متاثر ہیں۔ جب کہ محققین نے اپنی تحقیقات کے دوران بھی ان تمام میلانات کا اظہار کیا اور زبان کے سماجی و ثقافتی تناظر میں تحقیق کو منظّم کیا۔ محققین نے تمام سماجی ڈھانچوں میں زبان کے استعمال سے متعلق تحقیق کا جائزہ لیا اور سماج جیسے چھوٹے یا ذیلی ڈھانچوں تک اپنی تحقیق کو مکمل بنایا۔ اُن کی اس تحریک میں زبان کے استعمال اور اس کے معاشرے کے دوسرے پہلوؤں کے ساتھ باہمی تعلق کی لحہ بہ لحہ ریکارڈنگ کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ اس تحریک نے سابقہ تحقیقات کا تعارف کرواتے ہوئے سماجی و ثقافتی لسانیات میں تحقیق کی نئی راہیں کھول دیں۔ جیسا کہ مینڈوزا-ڈینٹن (2008 Mendoza-Denton)[۳۰] نے متغیر (variationist) سماجی لسانیات، تجزیہ کلامیہ اور سماجی نظریے کو لیٹینا گینگ گرلز (Latina gang girls) کی نسلیاتی تحقیق کے دوران منجمد کرتے ہوئے اپنی تحقیق کو مکمل کیا۔ اسی طرح جیک سڈنل نے 2005ء میں کیری بین (Caribbean) معاشرے کی نسلیات میں لوگوں کی آپس میں خونی رشتہ داری کی تحقیق کے دوران لسانی بشریات (linguistic anthropology) اور مکالماتی تجزیات کو اکھٹا کیا۔[۳۱] اس لیے تحقیق کی اہمیت کی بات کرتے ہوئے ایک ہی مضمون یا مختلف مضامین کے مطالعے کے دوران لسانی ڈھانچوں کے کردار اور ان کی مختلف اقسام مثلاً سماجی، ثقافتی اور سیاسی عوامل پر تحقیق کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے جو زبان کے مختلف حالات میں استعمال

پر روشنی ڈالتے ہیں۔اسی طرح تحقیق کا وہ میدان بھی اہمیت کا حامل ہے جو سماجی وثقافتی لسانیات کے تمام عوامل کے مطالعے کو زیر بحث لاتا ہے۔موجودہ تحقیق کے اس حصے کو تحقیقی عمل کے دوران سماج اور لسانی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ ان کے باہمی تعلقات پر بحث کا ایک ذریعہ بھی سمجھا جاتا ہے۔سماجی وثقافتی لسانیات تحقیق کے مختلف مراحل (مثلاً معلومات کو اکٹھا کرنے کے عمل (data collection)، معلومات کا تجزیہ (content analysis) اور نتائج کے سیاسی اظہار میں محقق کے کردار) کی غیر جانب داری کو بھی ظاہر کرتی ہے۔

بین الامضامینی تحقیق نے محققین کی توجہ کو سماجی علوم (humanities) اور لسانیات کے بہت سارے نظریاتی تصورات کی طرف مائل کیا ہے۔یہ تمام تصورات لسانی بصیرت ہی سے اخذ شدہ ہیں۔اسی طرح سماجی وثقافتی لسانیات کے محققین نے بھی اپنی تحقیقات سے مختلف نظریات اخذ کیے۔ان نظریات کے ماخذوں کا تعلق تحقیق کے عملی عوامل اور افعال ، اشارات، شناخت، نظریے، وجود، فرائض مختاری (agency)، عقلی رویوں، سرگرمیوں اور ان کی نمائندگی سے ہے۔ چوں کہ ہم نے ان تصورات کے تحقیقی ڈھانچوں کو سابقہ مقالات (Bucholtz and Hall 2004a, 2005) ۳۳،۳۲ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔اس لیے ان میں سے چند اہم تحقیقی تصورات کو اس مقالے میں زیر بحث لایا گیا ہے۔لیکن اُن اصطلاحات کی تفصیلات کو اس مقالے کی نذر نہیں کیا گیا۔تاہم اس بات کا ذکر بہت اہم ہے کہ تحقیقات کا یہ وسیع اور جامد تصوراتی اصطلاحات کا مجموعہ سماجی وثقافتی لسانیاتی تحقیق کو اپنے سے پہلے ادوار کی تحقیق سے علیحدہ کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔جب کہ محققین نے سماج وثقافت اور لسانیات کے آفاقی ڈھانچوں اور عوامل کو تحقیق میں استعمال کر کے سماجی وثقافتی لسانیات کی تحقیق کے عنوانات کا حصہ بنایا ہے۔ان جدید نظریاتی تصورات کی وجہ سے محققین کو تحقیق کے دوران ان سے مشابہ تصورات کو جدید تناظر میں سمجھنے کا موقع ملا۔

سماجی وثقافتی لسانیات کی تحقیق میں مختلف نظریات کے ماہرین نے لسانیات کے تصور میں وسعت کے پہلو کو باقاعدہ طور پر اجاگر کیا۔اُنہوں نے سماجی وثقافتی لسانیات کی اصناف کے ساتھ ساتھ مخصوص لسانی تحقیق پر بھی زور دیا ہے، جس کی وجہ سے اس کی حدود کا دائرہ کار وسیع ہوا۔اکثر ایسی تحقیقات ایسے مختلف نظریات کے باہمی تعلق کو فروغ دیتی ہیں جو پہلے ایک علیحدہ مضمون کے طور پر تصور کے جاتے ہیں۔اِن تحقیقات میں بین المضامینی تحقیق کے جدید نظریات اور طریقوں کا استعمال کیا جاتا ہے جو مضامین کے درمیان باہمی تعلق کے فروغ کا بھی سبب بنتی ہیں۔اس لیے تمام تحریری متن، ذرائع ابلاغ (media) اور تنقیدی تجزیہ کلامیہ (critical discourse analysis) کے دائرہ کار میں شامل سماجی لسانیات اور لسانی بشریات کی تحقیقات میں غیر تحریری متن سے زیادہ اہمیت کے حامل نہ تھے۔بہر حال اب تحریری متن اور اس کی معلومات اکٹھا کرنے والے ذرائع لسانی نمائندگی اور لسانی نظریات کی تحقیق کے دوران بہت اہمیت کے حامل ہیں۔اسی طرح حالیہ جدیدیت میں بھی یہ کلامیے (discourses) اطلاقی لسانیات کی تحقیق کے دوران بنیادی توجہ کا مرکز بن چکے ہیں۔اسی طرح تجزیہ کلامیہ (discourse analysis) کی بہت سی روایات نے لسانی بشریات میں اپنا اپنا

تحقیقی دائرہ کار حاصل کر لیا ہے۔مثلاً کالنز اور آغا اور بلاٹ(Collins and Blot 2003; Agha 1997) کے کام سرفہرست ہیں۔[۳۴،۳۵] اسی طرح کارگردگی کی بنیاد پر ہونے والی گفت گو کے واقعات نے، جو روایتی طور پر لسانی بشریات کی تحقیقی حدود میں شامل ہیں، سماجی لسانیات کو پرُکشش بنادیا ہے۔مثال کے طور پر چن (Chun 2004)[۳۶]، شلنگ ایسٹس کی(Shilling-Estes 1998)[۳۷] تحقیقات سرفہرست ہیں۔حالیہ تمام اصناف اور اس کے علاوہ جن کا ذکر سابقہ شماروں میں ہو چکا ہے۔اب ان کو کلامیہ(discourse) کی مختلف اقسام سے نہیں جوڑا جاتا جو کہ متن کے مختلف حصوں میں زبان کے استعمال پر زور دیتا ہے۔ جب کہ اب ان کو وقوع پزیر سرگرمیوں پر مشتمل ایک ڈھانچے کے طور پر لیا جاتا ہے۔جس میں زبان کو سماجی عوامل کے آپس میں جوڑنے اور ان کو ثقافتی وسیاسی تشریح فراہم کرنے کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

سماجی وثقافتی تحقیقات کے دوران مخصوص سماجی لسانی ذرائع کسی بھی زبان کے متکلم کے لیے مختلف ہوتے ہیں۔ان میں مسرت کا پہلو مخصوص زبانی گفت گو کی آواز سے لیکر گرامر کی ساخت تک اور پھر اس کی اصناف تک بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سماجی وثقافتی لسانیات کی روح انسانی لسانیات اور خبر رساں سرگرمیوں کے ہر حصے میں سما چکی ہے۔مثال کے طور پر، گڈون (Goodwin 1994)[۳۸] اور نارس(Norris 2004)[۳۹] نے اپنی تحقیق میں بیان کیا کہ زبان ایک زندہ و جاوداں سرگرمی ہے اور اس کو تحقیق کے دائرۂ کار میں استعمال کیا جاتا ہے۔اسی طرح آغا (Agha 2003)[۴۰] اور کیسلنگ (Kiesling 2005)[۴۱] نے اپنی تحقیقات سے یہ واضح کیا کہ زبان کے مروجہ رواج سے غیر متعلقہ کچھ نظریات جیسا کہ لغت(lexicon) کو زیادہ تر تغیر پسند سماجی لسانیات کے محققین نے زبان کے دوسرے نظریات کے مقابلے میں کم دلچسپ اور غیر منظم ہونے کی وجہ سے سابقہ تحقیقات کا حصہ نہیں بنایا اور ان کے تحقیقی دائرہ کار سے حذف کر دیا لیکن موجودہ جدید تحقیق کے ذریعے ان نظریات کو پرکھنے کا ایک نیا پہلو محققین کو متعارف کروایا گیا، جس کے ذریعے خصوصاً مختلف لسانیاتی ڈھانچوں کا کسی بھی کلامیے (discourse) میں استعمال اور متغیراتی کردار کو زِیر بحث لایا گیا ہے۔اس کے علاوہ لسانیات کی دیرینہ اصطلاحوں میں بہتری اور اصلاح کے لیے نئے تجزیاتی اور نظریاتی پہلوؤں پر تحقیق کی گئی جس میں زبان سے متعلق مواد (language content)، کوڈ-سوئچنگ (code-switching) اور کثیر اللسانیات(multilingualism) جیسی اصطلاحات سرفہرست ہیں۔ان اصطلاحات میں تحقیق کے عمل کے لیے ایور(Auer 1998)[۴۲]، ملرائے اور میسکن(Milroy and Muysken 1995)[۴۳] کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ جب کہ ہیلر اور ڈچین(Heller and Duchene 2007)[۴۴] اور سٹ سپس (Tsitsipis 1998)[۴۵] جیسے محققین نے جو اصطلاحات متعارف کروائیں اُن میں لینگویج شفٹ (language shift) خطرے میں مبتلا ہونے کی کیفیت (endangerment) اور حیات نو (revitalization) شامل ہیں۔اسی طرح سماجی وثقافتی لسانی ماہرین نے اپنی تحقیقات کو اسلوب اور تقلید پرستی (style and stylization) کے عنوانات

میں ڈھال لیا۔ جن میں ایکرٹ (Eckert 2000)[۴۶]، ریمپٹن (Rampton 1999)[۴۷]، نی جیلسکی اور پرسٹن (Niedzeilski and Preston 1999)[۴۸]، بلومیٹ (Blommaert 1999)[۴۹] کے ساتھ ساتھ ولارڈ، شفیلن اور کروسکٹی (Woolard, Schieffelin and Kroskrity 1998)[۵۰] سرفہرست ہیں۔ اس کے علاوہ میٹالینگوئسٹکس (metalinguistics) کی فیلڈ میں جوارسکی، کیپل لینڈ اور گلاسینسکی (Jaworski, Coupland and Galasinski 2004)[۵۱] اور لیوسی (Lucy 1993)[۵۲] کے نام سرفہرست ہیں۔ ان تمام محققین کی تحقیقات کے عنوانات مختلف مضامین کے باہمی تعلق کو فروغ دینے کے سبب وجود میں آئے۔

آخر کار سماجی و ثقافتی لسانیات اور اُس کی ذیلی شاخیں جو معاشرے میں سماجی مساوات اور سماجی انصاف کے معاملات پر بحث کرتی تھیں [کیمران (Cameron 1992)[۵۳]، فیئر کلف (Fairclough 1992)[۵۴]، رک فارڈ (Rickford 1997)[۵۵] اور زینٹلا (Zentella 1996)[۵۶]] دوبارہ سے میلانات کے نظریے کے مطابق زندہ ہوگئی ہیں۔ ان میلانات میں سب سے اہم کردار اُن مختلف علوم کا ہے جو باہمی طور پر ان معاشرتی موضوعات سے بحث کرتے ہیں۔ زبان کے ذریعے شناخت کی تحقیق ایک نمایاں ترقی ہے، جس میں خاص طور پر بکلٹز اور ہال (Bucholtz and Hall 1995)[۵۷]، بکلٹز، لی انگ اور سٹین (Bucholtz, Liang and Sutton 1999)[۵۸]، لی ویا اور ہال (Livia and Hall 1997)[۵۹]، مورِیش اور سانٹن (Morrish and Sauntson 2007)[۶۰] کی تحقیقات میں جنس اور صنف کے ساتھ ساتھ نسل اور معاشی تعلیم کو بھی سماجی درجوں میں ڈھالا گیا۔ ہارس اور ریمپٹن (Harris and Rampton 2003)[۶۱]، پے گلائی اور فر (Pagliai and Farr 2000)[۶۲]۔ اس کے علاوہ موضوعات اور ذہنیت کے مختلف پہلوؤں کی تحقیق بھی کی گئی ہے، جن میں جائزے کے لیے بکلٹز اور ہال (Bucholtz and Hall 2004a, 2004b, 2005)[۶۳، ۶۴، ۶۵] کے محققانہ مقالات کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ محققین نے سماج کے وسیع تر ڈھانچے کو تحقیقی عوامل کا حصہ بناتے ہوئے بہت سے اختراعی (جدید) پہلوؤں سے روشناس کیا ہے جو غیر مساوات کی جگہ لیتے ہیں، مثلاً سیاسی معیشت (Cameron 2000; McElhinny 2007)[۶۶، ۶۷]۔ اس کے علاوہ حب الوطنی، قومیت پسندی اور قومی ریاست کا تصور گال (Gal 2001) ۶۸ کے شمارے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جب کہ عالم گیریت اور قومی حدود سے بالاتر مختلف اقوام کے لیے جذبات کا تصور بیس نیئر اور کپل لینڈ (Besnier 2007; Coupland 2003)[۶۹، ۷۰] کے شماروں سے وابستہ ہے۔ اس طرح سماجی و ثقافتی لسانیات نے اپنے مقام کو ایک سیاسی ترقی پذیر شعبے کے طور پر برقرار رکھا جس کا زیادہ تعلق دنیا میں اردگرد ہونے والی سماجی و سیاسی مسائل کی تحقیق سے وابستہ ہے۔

سماجی وثقافتی لسانیاتی تحقیق میں جنم لیتے مکالمے

سماجی وثقافتی لسانیات کی سب سے اہم خوبی شاید اس کے محققین کی باہمی رضامندی ہے، جس کے تحت انہوں نے لسانیات کے ذیلی علوم کی حدود کو درگزر کرتے ہوئے ان کے باہمی تعلق پر مباحثوں کو فروغ دیا۔ ان کے علوم کی تحقیق کے دوران باہمی معلومات کے ملاپ میں کمی رہ گئی تھی جس کی بنیادی وجہ ذیلی علم کے ایک جیسے نظریات کے درمیان خلا کی موجودگی تھی۔ یہاں تک کہ اگر محققین کو بھی علوم کے باہمی نقاط پر بحث کرنا ہوتی تھی تو وہ ہمیشہ دوسرے روایتی طریقہ کار سے مکالمے کو فروغ نہیں دیتے تھے۔ لیکن دوسرے علوم سے وابستگی کے اس فقدان کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ کچھ مکالمات اور تحقیقات کے دوران یہ وجہ بھی سامنے آئی ہے کہ ایک علم کے جزو کی طریقیاتی ذمہ داریوں کو جان بوجھ کر اس علم کی تحقیق سے ناآشنا رکھا گیا۔ پس مکالماتی تجزیات (conversation analysis) اکثر لسانی بشریات کے نسلیاتی طریقہ کار (ethnographic methodology) کو ماننے سے اختلاف کرتے ہیں، لیکن مقداری سماجی لسانیات نے مختلف علوم کے باہمی تعلق میں بہت کم دل چسپی ظاہر کی۔ یہ باہمی تعلق مکالماتی تجزیے کا مرکز ومحور ہے۔ اس کے علاوہ مکالماتی تجزیات اور لسانی بشریات کے محققین نے اکثر اوقات متغیراتی سماجی لسانیات کی تحقیق کے مقداری تجزیاتی کردار سے اختلاف کیا ہے۔ تاہم اس طرح کے اختلافات جو تحقیقاتی علوم کے مختلف تحقیقاتی نظریات کے درمیان تھے، ان کی وجہ سے مختلف مضامین میں تنقید کے باہمی تعلق اور تخلیقی موافقت کو فروغ ملا۔ اس فروغ نے دانش ورانہ اختلاف کے درمیان مباحثے کو جگہ دی اور اس کے علاوہ سماجی وثقافتی لسانیات میں تحقیق کی نئی راہوں کو ہموار کیا۔ موجودہ شمارے میں موجود مقالات سماجی لسانیات اور لسانی بشریات کے باہمی تعلقات پر مختلف مکالموں کا عکس فراہم کرتے ہیں۔

کیتھرین ولارڈ (Kathryn Woolard) کی خدمات کا تعلق لسانی نظریے کے لسانی بشریاتی تصور کے ساتھ ہے کہ کس طرح سے لسانی بشریاتی تصور کو متغیراتی سماجی لسانیات کے بنیادی نقطۂ نظر کے ساتھ شاملِ بحث کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر منطقی طور پر ردوبدل (sound change) جیسا کہ ولارڈ (Woolard) نے اپنے مقالات میں بیان کیا ہے کہ سلورا سٹین (Silverstein 1985)[۱] کا مکمل لسانی حقیقت کا اصلی تین حصوں پر مشتمل تصور محقق کو مساوی طور پر لسانی ڈھانچے، لسانی نظریات اور سماج میں اس کے استعمال سے متعلق معاملات کو زیر بحث لانے کے ذرائع فراہم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اسٹین کا یہ نظریہ لسانیاتی علوم کے نظریات میں اتحاد کو فروغ دیتا ہے۔ لیکن لسانی بشریات کی تحقیق کار رجحان لسانی ڈھانچے کو علیحدہ کر کے صرف لسانی نظریات اور سماجی ڈھانچے کے باہمی تعلق پر زور دیتا ہے۔ اگرچہ لسانی بشریات کے ماہرین کی ایک بڑی تعداد زبان کے سماجی زندگی میں کردار اور اس کے ثقافتی اعداد وشمار پر تحقیق کرتی ہے کہ کس طرح زبان زندگی کے سماجی درجوں میں شدت پسندی کو فروغ دیتی ہے یا سماج میں شناخت کو قائم رکھتی ہے، لیکن اُن میں سے چند محققین ہی اپنی تحقیقات کی محنت کو ان ثقافتی اعداد وشمار کی ممکنہ صلاحیت کی طرف موڑ پاتے ہیں جو منطقی طور پر ردو بدل کے مختلف پہلوؤں کو ترجیح اور فروغ دیتی ہے۔ ولارڈ (Woolard) اپنے مقالات میں ایک تحقیقی خلا سے بحث

کرتے ہوئے اس بات کی چند وجوہات تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں کہ کس طرح کچھ لسانی متغیرات باہم متحد ہو کر سماجی اور تاریخی لمحات میں سماجی لسانیات کے مختلف نقوش کے طور پر ابھرتے ہیں جو بعد میں منطقی طور پر ردو بدل کا سبب بنتے ہیں[۷۲]۔ ولارڈ (Woolard) کا جواب جوزف ارنگٹن (Joseph Errington 1985) کے relative "pragmatic salience" سے متعلق خیالات پر انحصار کرتا ہے[۷۳]۔ اس تصور کے تحت متکلمِ زبان مختلف صرفیات (morphemes) اور بے معنی الفاظ (lexemes) (جو اپنا علیحدہ وجود برقرار نہیں رکھتے) مختلف درجوں میں سے ذاتی ضمیر اور تعلقات کے لیے استعمال کرتا ہے۔ کیوں کہ یہ سماج میں تعلقات کو مضبوط کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ ولارڈ یہ تجویز کرتی ہیں کہ حقیقی طور پر نمایاں ان عناصر کی مختلف اور مخصوص علم الصوت سے تعلق رکھنے والے عناصر کے پیش نظر منطقی طور پر ردو بدل (sound change) کے لیے نظریاتی حوصلہ افزائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ولارڈ کی تحقیقات لسانیاتی تناظر میں بشریاتی نظریات کو علم الصوت میں مختلف تبدیلیوں (phonological change) پر متغیراتی سماجی وثقافتی (variationist) تحقیقات کے ساتھ متحد کرتی ہیں، جس کی مدد سے ہم اس سوال کیا یک جدید سماجی اور ثقافتی جواب پر اکتفا کر سکتے ہیں کہ سماجی لسانیات کے نقوش کیوں شہرت پا گئے ہیں؟

پینی لوپی ایکرٹ (Penelope Eckert) اپنے مقالے میں بیان کرتی ہیں کہ لسانی بشریات، لسانی تحقیق کیدوران لسانی ڈھانچے (linguistic form) کی تفہیم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے متغیراتی سماجی لسانیات نے سماجی مفہوم (social meaning) کے معاملے سے روگردانی کی ہے۔ اُن کا مکالہ سماجی درجوں میں متکلم کی رکنیت سے بحث کرتا ہے۔ جس کا عنوان لسانی متغیرات کے روایتی مفہوم کی طرف ایک للکار ہے۔ ایکرٹ (Eckert) کے مطابق متغیرات کو دراصل نظریات مفہوم کے رواں اور ہمیشہ بدلنے والے اشاریاتی میدان (indexical field) میں تشکیل دیا گیا۔ یہ مفہوم مقامی یا تشکیل شدہ متغیرات کے مخصوص مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ سلوراسٹین (Silverstein 2003) کی اشاریاتی نظام کی دوہری تشریح نے ایکرٹ کے تجزیے کو فروغ دیا جو نشریات کے ایک مسلسل عمل پر مشتمل تھی[۷۴]۔ ایکرٹ اُن تمام وسائل کو نمایاں کرنا چاہتی ہیں، جو متغیرات کے سماجی مفہوم کو ہمیشہ بہاؤ کے تناظر میں محدود رکھتے ہیں۔ جب کہ متکلمین بے شک مختلف متغیرات کو استعمال کر کے موجودہ اشاری قدر (indexical values) کو فروغ دے سکتے ہیں۔ جیسا کہ متغیرات کی روایتی تحقیقات سے واضح ہے کہ متغیرات ہی کا استعمال نئی اقدار کے دعوے کو داؤ پر لگا سکتا ہے؟ اس کے علاوہ نئی ایجاد ہونیوالی اقدار مستقبل میں خود جدید ایجادات کے لیے ایک ذریعہ بن سکتی ہیں۔ منطقی طور پر ردو بدل (sound change) بنیادی طور پر قابل فکر تبادلے کی ایک پیداوار ہے۔ متکلمین ہر جگہ سماجی میدان میں لسانی ساخت اور مفہوم کے درمیان اشاریاتی تعلق کی موجودہ تشریح میں حصہ لے رہے ہیں۔ ایکرٹ خود چھوٹے پیمانے پر نظریات کو تسلیم کرتی تھیں۔ ہمیں اُن متغیرات کی ضرورت ہے کیوں کہ یہ واضح طور پر بڑے پیمانے کی اُن تبدیلیوں سے

تعلق نہیں رکھتے ،جن کا دارومدار زیادہ تر روایتی متغیرات کی تحقیق پر ہوتا ہے۔اس طرح کی تحقیقاتی سرگرمیوں نے سماجی لسانیات کو نئے نظریاتی اور تجزیاتی تحقیق کے باب میں داخل کیا ہے۔

جیک سڈنل (Jack Sidnell) کی شراکت مختلف مضامین کے باہمی تعلق (بین المضامینیت) کی بحث کو مختلف سمت پر فروغ دیتی ہے۔لسانیات کے علوم میں بین المضامینیت (یعنی مختلف مضامین کے باہمی تعلق) پر مکالمے کو فروغ دیا جاتا ہے۔جیسا کہ وہ مقامی نقطۂ نظر میں لسانی بشریاتی مفہوم کو مکالماتی تجزیات سے متحد کرتا ہے۔مکالماتی تجزیے نے، جو علم کا ایک جزو مانا جاتا تھا، روایتی نظریات کے پیش نظر باہمی تعلقات کی ساختیاتی خصوصیات کو عالم گیر درجہ دیا۔سڈنل مکالماتی تجزیے کے ان عمومی قوانین پر مشتمل نظریات کو فروغ دیتا ہے جو باہمی گفت گو کے عمل کو تشکیل دیتے ہیں۔اس کے علاوہ جیک سڈنل قوانین کی مقامی حالت میں نمائندگی میں دل چسپی ظاہر کرتا ہے۔گمپرز (Gumperz 1964) کی سابقہ تحقیق کو اگر ایک مفروضے کے طور پر لیا جائے تو یہ مختلف علاقوں میں رہنے والے متکلمین کی غیر تحریری گفت گو کا ایک تقابلی مطالعہ تھا[۵۷]۔ان علاقوں میں خالہ پور، بھارت، ہمنسن برگٹ اور ناروے شامل ہیں۔اس طرح سڈنل نے دو کیرے بیّن (Caribbean) معاشروں میں متکلم کی زبان میں باہر کی تنظیم کی ترامیم کا جائزہ لیا۔ایک معاشرہ گرینا ڈائین (Grenadine) جزیرے پر آباد ہے جب کہ دوسرا معاشرہ کلنڈر (Callander) کے ایک گاؤں میں آباد ہے جس میں لوگوں کا تعلق انڈوگائینز (Indo-Guyanese) طبقے سے ہے۔سڈنل نے اُن دونوں گروہوں میں ایک منظّم متوازی اور اختلافی موازنہ تشکیل دیا جس کے ذریعے دونوں گروہوں کا سابقہ متکلم کی زبان میں ترمیم کا جائزہ لیا گیا ہے،لیکن سڈنل کا حتمی مقصد تصورات کو بیان کرنا تھا نہ کہ اس کی ساخت کا جائزہ لینا۔سڈنل نے مقامی نقطۂ نظر کے مطابق اپنے نتائج سے متعلقہ تین اسباب کو تلاش کیا۔ پہلے نمبر پر دونوں گروہوں میں ہاں اور نہیں کے سوالیہ جملوں کی گرامر کی ساخت کا تجزیہ، دوسرے نمبر پر معانی کی ساخت کا تجزیہ(the onomastic system)اور تیسرے نمبر پر رہائش اور شادی سے متعلقہ آبادیاتی ساخت کا تجزیہ شامل ہے۔سڈنل اس نتیجے پر پہنچے کہ بیکوئن (Bequian) برادری کے لوگ زیادہ الگ تھلگ اور مستقل مزاج ہیں اور وہ لوگ کلنڈر کے انڈوگائینز لوگوں کے مقابلے میں پہلے گروہ کے زیادہ لوگوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات کے ذریعے منسلک ہیں۔اس نے جزیرے پر رہنے والے لوگوں کی زبان میں استعمال ہونے والی مخصوص اصطلاحات جائزہ لیا۔جس کے لیے اس نیان کی گفتگو میں مختلف تراکیب کے استعمال کا تجزیہ کیا۔چوں کہ اُن کے مشاہدات زیادہ تر مفروضات پر انحصار کرتے ہیں اس لیے ان کا مفروضہ تھا کہ متکلم دوسرے گروہ کے لوگوں کو پہچان لے گا۔سڈنل کے نزدیک سماج کا یہ باہمی تعلقات کا ڈھانچہ نا تو کسی پہلے سے موجود سماجی درجہ بندیوں کی نمائندگی کا حصہ بنا ہے اور نہ ہی کسی سماج یا نظریاتی ڈھانچے کی نقل کرتا ہے۔بل کہ یہ کسی بھی معاشرے میں غلبہ پانے والے عمومی ڈھانچوں پر مشتمل ہوتا ہے جو کسی بھی مقامی گروہ میں خود ساختہ طور پر تفویض شدہ ہوتا ہے۔اس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکالماتی تجزیات کے دوران نسلیاتی طریقۂ کار کے ساتھ ساتھ جگہ کا رجحان وقوع اور باہمی تعلقات کے ڈھانچوں کی وضاحت کی

بھی ضرورت ہوتی ہے۔اس کے علاوہ یہ تمام عناصر منجمد ہو کر لسانی بشریات اور مکالماتی تجزیات کے دوران ایک بنیادی تصور اور تعلق کو جنم دیتے ہیں۔

آخر میں مونیکا ہیلر (Monica Heller) کا مقالہ بہت سے ذیلی شعبوں سے متعلق سرسری طور پر ترجمانی کرتا ہے جو تصوراتی اصطلاحات کو دہراتے ہوئے سماجی وثقافتی لسانیات کو تشکیل دیتے ہیں۔ایک قومی ریاست میں سماج اور زبان کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ان دونوں اصطلاحات کے علاوہ معاشرتی گروہ اور پہچان بھی مساوی اہمیت کی حامل ہیں۔ان اصطلاحات کی مدد سے مونیکا ہیلر نے مختلف ذیلی موضوعات پر گفت گو کر کے سماجی وثقافتی لسانیات کو جنم دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔کینیڈا میں فرانسیسی زبان بولنے والوں کے بدلتے سیاسی اور معاشی دائرہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے ہیلر بیان کرتی ہیں کہ محققین کو سماجی نظام کے نئے ڈھانچے کی وضاحت کے لیے ان تمام اصطلاحات کے مفہوم کو دوہرانا ہوگا جو پہلے بیان کی گئی ہیں۔اس کے علاوہ موجودہ عالم گیر معاشی نظام کے مطالبے کے ساتھ ساتھ ملازمت اور معلومات کی جنم لیتی نئی معیشت کی وضاحت بھی ضروری ہوگی۔نقل وحرکت کا ایک بڑا رجحان اور کثیر تعداد میں سرمایہ کے عالم گیر بہاؤ نے زبان میں تحقیق کے نئے پہلوؤں کو جنم دیا ہے، جو ریاست کے منصوبوں کو فروغ دیتے ہیں،ہیلر کے مطابق سب تصورات قابل عمل نہیں ہیں۔مثال کے طور پر، زبان کو کسی ایک خطے سے منسلک کرنا پہچان کو مستقل تصور کرنا اور برداریوں کو متحد ڈھانچوں میں ڈھالنا وغیرہ۔فرانسیسی بولنے والے (Francophone) کے تناظر میں عالم گیر عوامل جو کینیڈا میں ان تمام اصطلاحات کے مفہوم کو ایک نئی سوچ اور پہلو سے دیکھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ان تمام عوامل کی مدد سے ہم یہ جان پاتے ہیں کہ کیسے موضوع کا مرکز ایک شے سے ایک عمل میں منتقل ہونا چاہیے اور کس طرح وہ جدید درجہ بندیوں کیذیل سے نکل کر تحقیق کے پیمانے میں سما جاتا ہے۔یہ تجزیہ مختلف مضامین کے باہمی تعلقات پر ہونے والے تجربات کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

اب ہم اُن دو مثالوں کا ذکر کرتے ہیں کہ جو اس مقالے کی سماجی وثقافتی لسانیات کی روایتوں میں تخلیقی اتحاد کو فروغ دیتی ہیں۔ان میں سے پہلی مثال بکلٹز کی تحقیق پر روشنی ڈالتی ہے کہ کیسے تحقیقات کے دوران باہمی نسلیاتی بصیرت کے پہلوؤں اور معلومات کو نسلی درجہ بندیوں سے اخذ کیا جاتا ہے اور زیادہ تر سماجی لسانیات کے ماہرین راویتی طور پر کسی بھی تجربے کے پس منظر کے لحاظ سے تسلیم کرتے ہیں۔دوسری مثال ہال کی تحقیق پر روشنی ڈالتے ہوئے عالم گیریت میں دل چسپی کا تجزیہ کرتی ہے کہ کس طرح اطلاقی لسانیات اور سماجی لسانیات میں عالم گیریت کا پہلو لسانی بشریات کے نسلیاتی شعور کے ذریعے فروغ پاتا ہے۔

متحرک حواشی اور سماجی وثقافتی لسانیات کا مرکزی محور

مقالے کے اوپر کے حصے میں جنم لیتے تحقیقی میلانات یہ تجویز کرتے ہیں کہ سماجی وثقافتی لسانیات کی تحقیق میں سماجی اور لسانی عوامل کے ان بنیادی نظریات کو تصور کیا جاتا ہے جو کسی وقت میں کسی بھی علمی میدان کے ضروری پہلوؤں کی

ساخت میں ڈھالے جاسکتے ہیں۔اگر چہ تحقیق کے لحاظ سے ابھی محققین کی ذمہ داریاں مکمل نہیں ہوتیں لیکن سماجی گروہ کی تاریخ کے تناظر میں تحقیقاتی حدود کو مدنظر رکھتے ہوئے محققین کی توجہ میں اضافہ ہوا۔اس کے علاوہ محقق کا دھیان لسانیات کے پس ماندہ عنوانات کی طرف بڑھ گیا ہے جیسا کہ لغت اور زبان کی ڈھانچہ۔اس کے علاوہ محققین نے لسانیات کے موضوعات میں ان نظریاتی حدود کو چھونے والے عنوانات کو تحقیق کا حصہ بنایا ہے۔مثال کے طور پر زبان کا غیر سرکاری طور پر استعمال اور اس سے متعلقہ عنوانات پر تحقیق کے دوران معلومات اکٹھی کرتے وقت ان کو ناکارہ چیز کے طور پر تصور کیا جاتا ہے۔اس طرح سے اس قسم کی معلومات جاننے کا ایک قیمتی اور اہم ذریعہ یہ ہے کہ کیسے زبان، سماج، ثقافت اور باہمی عوامل میں سرایت کرگئی ہے۔

ایسے پس ماندہ تصور کو اہمیت دینے کی مثال ہمیں سابقہ تحقیقات میں نہیں ملتی۔سماجی لسانیاتی مکالموں کے طریقہ کار کو ایک تحقیق میں علمی حیثیت دینے اور ان کے ذریعے متکلم کے لسانی ذخیرے کے تمام درجوں میں سے متغیرات کو اخذ کرنے کے لیا ستعمال کیا گیا۔ان درجوں میں مقامی درجے سے لے کر دفتر اور سرکاری درجات شامل ہیں۔لیبو (Labov 1972a)[۷۶] نے دریافت کیا کہ مکالمے کے تناظر میں وہ مقامات جہاں تحقیق نہ ہونے کے برابر ہے وہاں تحقیق کی ضرورت کو محسوس کیا گیا ہے۔جب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو گھر کے افراد باہر تھے یا مہمانوں کو باہر چھوڑنے گئے تھے۔اس طرح کی مثالیں مقامی زبان کی ساخت کے لحاظ سے بہت عمدہ تھیں۔اسی طرح محققین نے نام نہاد "ناکارہ معلومات" کی فضیلت بڑھانے کے لیے بصیرت کی دولت کو ظاہر کرنا شروع کیا جس کو انہی معلومات سے منتخب کیا گیا تھا۔اس کو اکثر دو وجوہات کی بنا پر "غیر حقیقی" عنوان سے منسلک کیا گیا۔پہلی وجہ مکالمے کے اردگرد کا مصنوعی ماحول جب کہ دوسری وجہ متکلم کی محقق کے تحقیقی رجحان سے آگاہی تھی۔مثال کے طور پر، ہیری سن (Harrison 2005)[۷۷]، شلینگ ایسٹس (Schilling-Estes 1998)[۷۸] لسانی بشریات کے نقطۂ نظر سے برگز (Briggs 1986)[۷۹] اپنے مقالات میں واضح کرتے ہیں کہ تحقیقی مصاحبہ نسلیاتی تحقیق کے لیے ایک فائدہ مند ذریعہ ہے۔مصاحبہ کار اپنی مختلف غلطیوں کے سبب ثقافتی اصولوں کو سوال و جواب دینے کے عمل کے دوران اپناتے ہیں۔اس قسم کی تحقیقات کے ذریعے متکلم تحقیقی سیاق وسباق سے بحث کرتا ہے جو اس کے سماجی اور باہمی اہداف کو پورا کرتی ہے جس کے لیے ہر مرتبہ ایک مصاحبہ کار (Interviewer) کا ہونا لازمی نہیں ہے۔مختصراً یہ کہ ناکارہ معلومات کو بھی اچھے مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ محققین ان معلومات کو مقام افضل کی غیر جانب دارانہ نظر سے دیکھیں۔اس کے علاوہ لسانی اعداد وشمار کے وہ حصے جن کو محققین نظر انداز کر دیتے ہیں یا تحقیق کی بیرونی حدود کو زیر توجہ نہیں رکھتے۔ان اعداد وشمار کو بھی بصیرت کے نئے پیمانوں میں ڈھالا جاسکتا ہے لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ اعداد وشمار اس تجزیے میں مرکزی حیثیت رکھتے ہوں (Mondada 2005; Myers 2006)[۸۰،۸۱]۔اس طرح اپنے تجزیے کے الگ تھلگ اور مدھم گوشوں پر تجزیاتی روشنی ڈالتے ہوئے وہ حصے جن پر توجہ نہیں دی جاتی ان حصوں کے متعلقہ دل چسپ اور

حیران کن نکات کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ان کے تجزیاتی مطالعے کے دوران ہمیں زیادہ تر مختلف نظریات اور طریقہ کار کو ملا کر تخلیقی مجموعے کی ضرورت پڑتی ہے۔

درحقیت بڑھتے ہوئے حوصلہ مندانہ رجحان کی وجہ سے محققین اپنے علوم سے متعلقہ موضوعات میں مکالماتی طریقہ کار کو تنقید کے انتہائی گہرے دائرہ کار میں شمار کرتے ہیں۔مکالماتی تجزیے میں باہمی عوامل کے حصے سے متعلق طریقہ کار کو شامل کیا گیا۔تا کہ تحقیقی مکالموں کے ساتھ ساتھ اس سے متعلقہ تحقیقی ڈھانچوں کی حاصل کردہ ایسی معلومات کو بھی فروغ دیا جا سکے، جن کو باہمی تعلق کے نقطہ نظر سے نہیں پرکھا جاتا تھا (Speer 2002a; van den Berg, Wetherell and Houtkoop-Steenstra 2004)[۸۲،۸۳] اس نظریے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ تجزیے کے مستند یا قدرتی اعداد و شمار اور غیر مستند یا مصنوعی اعداد و شمار کی معلومات کو اکٹھا کرنے کے عمل میں فرق کیا گیا (Bucholtz 2003; Speer 2002b)[۸۴،۸۵]۔محقق کے حاصل کردہ اعداد و شمار اور شرکاء سے حاصل شدہ اعداد و شمار کا طریق کار مختلف ہے جس کو تجزیے کے دوران نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔جیسا کہ برگ (Briggs 1986)[۸۶] کی تحقیقات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نسلیاتی تجزیات سے مکالموں کے لیے باہمی عمل کے نظریے کو فروغ ملتا ہے۔برگ کی تحقیقات کی مدد سے محقق کو اس بات سے بھی آگاہی ملتی ہے کہ کس طرح مختلف باہمی عوامل جن کا تعلق شرکا سے ہوتا ہے ایک وسیع سماجی اور ثقافتی ڈھانچے میں ڈھلتے ہیں۔موجودہ تحقیق میں متکلمین کی شناخت سے متعلق ایک پہلو کو بنیاد بناتے ہوئے روایتی سماجی و ثقافتی لسانیات کے تجزیے کی مدد سے مستند اور جامد درجہ بندیوں کے ڈھلنے کے عمل کو پرکھا گیا ہے۔اس کے علاوہ اس کی خود کی نسلیاتی درجہ بندی ہے۔مکالمے کو نقطہ نظر سے موازنے اور نظر انداز ہونے کے تناظر سے بھی پرکھا جا سکتا ہے۔اس طرح کے حالات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مکالموں کو سابقہ معلومات اکھٹی کرنے کے بجائے مختلف مخصوص پہلوؤں پر مشتمل اعداد و شمار اکٹھا کرنے کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔یہ خصوصیت نسلیاتی درجہ بندیوں کے لحہ بہ لحہ بدلتے ہوئے مفہوم کو واضح کرتی ہے۔یہ درجہ بندیاں ان مکالموں کو "اقلیت اور اکثریت" کے نسلیاتی تناظر میں ڈھال کر سفید فام متکلمین تک محدود کر دیتی ہیں۔

درج ذیل تجزیہ باہمی نظریے کی روشنی میں ایسے منظّم ڈیٹا کا دوبارہ مشاہدہ کرتا ہے جو صرف پہلے مواد کے طور پر استعمال کیا گیا۔یہ ڈیٹا یورپی امریکی نوجوانوں سے لیے گئے زبانی مصاحبوں پر مشتمل ہے جن میں ان کے دوستوں کے گروہوں، فارغ سرگرمیوں اور زبان کے استعمال کے متعلق پوچھا گیا تھا۔یہ مصاحبے زبان، نسل اور نوجوان معاشرے کی نسلی و سماجی لسانیاتی تحقیق کا حصہ ہیں جو بکلٹز نے 95-1991ء میں بے سٹی ہائی اسکول میں منعقد کی تھی۔فرانسسکو بے ایریا کا یہ دیہی ہائی اسکول نسلیاتی اور معاشرتی اعتبار سے تنوع کا شکار تھا۔اس تجزیے کے مقاصد حالانکہ مکمل طور پر مشاہدے کا حصہ نہیں بن سکے لیکن مصاحبوں کے لحاظ سے اہم تھے۔محقق نے مصاحبہ دہندوں (interviewees) سے ان کی بنیادی آبادیاتی معلومات فراہم کرنے کی درخواست کی۔ایسی درخواستیں خاص طور پر تحقیقی مصاحبے کیا ختتام پر کی جاتی ہیں لیکن موجودہ جمع شدہ ڈیٹا میں ہم اس کو مصاحبے کی ابتدا میں دیکھتے ہیں جبکہ باقی محققین ان درخواستوں کو مصاحبوں کے

اختتام پر ہی رکھتے ہیں۔ درج ذیل تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ مصاحبہ دہندگان اکثر ان درخواستوں کا فائدہ اٹھاتے ہیں تا کہ وہ اپنے آپ کو نسلی اعتبار سے وسیع سماجی زمروں میں ظاہر کر سکیں۔ ایک باقاعدہ مصاحبے کے دوران اس قسم کا طے شدہ ابتدائیہ مصاحبہ دہندے کی شناختی پہچان کا سبب بننے کے ساتھ ساتھ مقامی معاشرتی تناظر میں نسلی اور خاندانی اعتبار سے سفید فام طلبا کے لیے مسئلے کی صورت بھی اختیار کر جاتا ہے۔ خود کی نسلی درجہ بندی کے یہ مراحل اُن مصاحبوں میں نسل پر ہونے والی گفتگو سے بہت مختلف ہیں جو ماضی کی تحقیقات میں موجود ہیں چونکہ اُن مصاحبوں میں نسلی درجہ بندی سے متعلق گفتگو کو ضرورت سے زیادہ وضاحت کیساتھ بیان کیا گیا ہے (Myers 2005; van den Berg,Wetherell and Houtkoop-Steenstra 2004; Wetherell and Potter 1992) ۸۷، ۸۸، ۸۹ لیکن یہ تحقیقات ایسے کام میں بہت مفید ثابت ہوئیں چونکہ یہ نسلی یا خاندانی تفریق کو ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر تحقیقی مقاصد کے لیے متعارف کرواتی ہیں۔ اس طرح یہ بہت مفید تحقیقی تناظرات ہیں جو تحقیقی مقالے میں مصاحبوں کے ذریعے لوگوں کی پہچان کو تشکیل دینے اور سمجھنے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔

اگر چہ بکلٹز کی طرف سے کیے جانے والے یہ مصاحبے اپنی تحقیقی سمت کے لحاظ سے لیبوئین (Labovian) کے بجائے نسلیاتی ہیں لیکن ان مصاحبوں میں بکلٹز نے طلبا کے آبادیاتی پس منظر کے حوالے سے چند روایاتی سماجی علوم سے متعلق سوالات کو بھی شامل کیا ہے۔ ان سوالوں کو شامل کرنے کا مقصد اس بات کی یقین دہانی کروانا تھا کہ وہ مصاحبوں کے دوران مصاحبہ دہندوں سے اکٹھی کرنے والی نسلی اور خاندانی معلومات کو تحقیقی مواد کے طور پر محفوظ رکھیں گی اور اس معلومات کی مدد سے وہ یہ جاننے کے قابل ہوں گی کہ طلبا کس طرح نسلی و خاندانی طور پر اپنی شناخت کی درجہ بندیاں کرتے ہیں۔ ایک غیر رسمی تحریر جو آبادیاتی معلومات کے حصول کی درخواست کے طور پر بنائی گئی اس میں ہر مصاحبہ دہندہ سے عمر، تدریسی درجہ، جنس اور نسل سے متعلق معلومات درکار ہوتی تھی اور ان تمام عنوانات کو اکثر انفرادی طور پر ہونے والے مصاحبوں میں اسی ترتیب سے لکھا جاتا تھا۔ (اگر چہ ان مصاحبوں کے تناظر میں 'خاندانی درجہ بندی' کے مقابلے میں 'نسلی درجہ بندی' کو زیادہ غیر جانبدار اصطلاح کے طور پر منتخب کیا گیا تھا۔ لیکن طلبا کے جوابات میں دونوں درجہ بندیاں موجود تھیں۔) اس تحریر کی متغیریت کو زیادہ تر ہر مصاحبے میں اپنایا گیا۔ عام طور پر ہر مصاحبہ دہندے سے پہلے سوال میں اپنا ایک فرضی نام منتخب کرنے کی درخواست کی جاتی جبکہ دوسرا سوال مصاحبہ دہندہ کی آبادیاتی معلومات کی فراہمی سے متعلق تھا۔ اگر چہ زیادہ تر نوجوانوں نے پہلے تین سوالوں کا جواب بہت دیانت داری کے ساتھ دیا، نسل پرستی سے متعلق سوال کے جواب کے دوران مختلف حکمت عملیوں کا استعمال کرتے ہوئے انہوں نے نسلی درجہ بندیوں کے عنوانات کی ایک طویل فہرست بنا ڈالی۔ جگہ کی کمی کے باعث موجودہ تجزیے میں عنوانات کی اقسام کا مشاہدہ شامل نہیں کیا گیا اور صرف یک جوابی حکمت عملی کا استعمال کرتے ہوئے سوالوں کے حل طلب کیے گئے۔

مسئلہ سازی کی یہ حکمت عملی مثال نمبر 1 میں واضح ہے جو تحقیق کا پہلا مصاحبہ بھی ہے جس کو کلیئر (Claire) سے

لیا گیا ہے۔اس مثال میں کلیئر (Claire) نے اپنا فرضی نام بیتھ (Beth) رکھا ہے۔لائن نمبر 1 میں میری (Mary) نے دھیمے لہجے میں کلیئر (Claire) سے اپنا ایک فرضی نام منتخب کرنے کی درخواست کی۔نام منتخب کرنے کی درخواست کے جواب میں کلیئر (Claire) نے خود کی درجہ بندی کرنے کی اپنی صلاحیت پر تمسخرانہ شکوک وشبہات کا اظہار کرتے ہوئے انتہائی منفی موقف کو ظاہر کیا ہے جبکہ میری (Mary) نے کلیئر (Claire) کے اس موقف پر اپنی دل چسپی ظاہر کی۔ مزید تفصیلات کے لیے (transcription conventions) متن نمبر 1 یا Appendix 1 درج ذیل ہے:

Example (1)

1	Mary:	x?
2	Claire:	Beth.
3	Mary:	A:nd (1.0) what is your (.) a:ge,
4		se:x,
5		(.) ethnicity,
6		and year in school.
7	Claire:	Okay,
8		I'm sixteen years old,
9		(1.6) female,
10		(1.7) junior,
11		(1.7) I guess I'm w- white. @:
12	Mary:	@@You guess?
13	Claire:	@@Well,
14		@I mean
15		I I I hate questions like that,
16		it's like,
17		we:ll,
18		@let's see,
19		if you w- really want to trace my heritage,@
20	Mary:	@@Yeah,
21		if you want. =
22		= I mean however you would (.) describe yourself. =
23	Claire:	= I'm a m:utt.
24	Mary:	Okay.
25		<quieter> {Mutt's (.) good enough.}
26		U:m,

لائن نمبر ۱۵ سے ۱۹ کے درمیان کلیئر (Claire) اپنی نسل کو تلاش کرنے کی بات کا مذاق اُڑاتی ہیں۔(یہ وقتی بات تھی جو کہ میری (Mary) نے ظاہری طور پر نظر انداز کر دی جب وہ کلیئر (Claire) کی خود کی درجہ بندی کرنے کے لیے حوصلہ افزائی کر رہی تھیں۔کلیئر اپنے کردار کی ذاتی خصوصیات بتاتی ہیں جو کہ نسل کی اصطلاح کے بالکل برعکس ہیں (لائن ۱۹)۔ وہ کئی نسلوں کا ایک آمیزہ (mutt) ہے (لائن ۲۳)۔میری نے کلیئر (Claire) کے غیر روایتی جوابات کو لائن ۲۱ اور ۲۰ میں مذاق کے ساتھ مثبت انداز میں رکھا۔لائن نمبر ۲۵ میں good enough کے الفاظ سے کلیئر (Claire) کے جوابات کا تعین کیا گیا۔اس کے جوابات ان باقی طالب علموں کو جو اس طرح اپنی نسلی درجہ بندی پر اعتراض اُٹھاتے تھے ،دیے گئے تبصروں کے مقابلے میں کافی بہتر تاثرات تھے۔یہ فرق ہونے کی ایک وجہ یہ بھی سمجھی جا سکی ہے کہ مصاحبے کے

دوران مصاحبہ کار کی ایک ذمہ داری مصاحبہ دہندہ کو جوابات میں حوصلہ افزائی اور گفت گو میں آسانی فراہم کرنا بھی ہوتی ہے۔لیکن میری (Mary) کا اتنا مفصل ردعمل ایک بات ظاہر کرتا ہے کہ کلیئر (Claire) کے مہیا کیے گئے جوابات میری کی امیدوں کے برعکس تھے۔

وہ مصاحبے جو نسلی درجہ بندی کے سوال کو مشتبہ جوابات کے ذریعے الجھا رہے تھے وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ اُن کے جوابات غیر روایتی ردعمل ہیں۔درحقیقت ایک اور مصاحبے میں جو کہ کلیئر (Claire) کی دوست کرسٹائن (Christine) سے لیا گیا ہے، اس میں کلیئر (Claire) نے ابتدا ہی میں وہ ردعمل دیا جو پہلی مثال میں دیا گیا۔کلیئر (Claire) کا یہ رویہ اس چیز کو ظاہر کرتا ہے کہ کلیئر کا اصل ردعمل اُن باتوں سے لاعلمی کی وجہ سے نہیں تھا جو روایتی ردعمل سے مشروط تھیں۔

Example (2)

1	Claire:	Be:th,
2		(1.0) sixteen,
3		junior,
4		(0.8) u:m,
5		(2.2)What else was it?
6		(1.0)
7	Mary:	[U:h]
8	Christine:	[Ethnic]ity and sex.
9	Claire:	Female,
10		(0.9)
11		Uh,
12		(0.6) guess I'm white.
13		I me@a-
14	Christine:	@@
15	Claire:	@
16	Mary:	@R@ight,
17		[we went through this last time.]
18	Christine:	[@ (Whatever.)] @@@@!
19	Claire:	Yeah.@
20	Mary:	Probably white.
21		[@@@]
22	Christine:	[@@@] .h
23	Claire:	Well,
24		I mean when you say ethnicity,
25		(0.5)
26		<clears throat> [That sort of implies]
27	Christine:	[Who knows what it means.]
28	Claire:	a culture.
29	Mary:	Right.
30	Claire:	@<higher pitch> {I'm from Bay City.}@@
31	Mary:	@@Okay,
32		[(that sort of) works.]
33	Christine:	[What kind of white culture i@s (that)?]
34	Claire:	I@ kno@w! [[@@:]]
35	Mary:	[[@@@@]]
36	Christine:	[[@@ .h @@]]
37	Claire:	<smiling quality> {I have no culture.} =
38	Christine:	= Okay. =
39	Claire:	= Thank you very much. =
40	Mary:	= Okay. =

کلیئر (Claire) کے مصاحبے کی مثال نمبر۲ کی لائن نمبر۱۲(I guess I'm white) میں ان کو لگتا ہے کہ وہ سفید

فام ہیں، یہی الفاظ مثال نمبرا کی لائن ۱۱ کے ردعمل میں بھی موجود ہیں۔اس کے علاوہ کلیئر اور دوسرے شرکا نے بھی اپنے جوابات کے دوران ہنسی مذاق اور متصل ردعمل کے ذریعے روایتی رویوں کو فروغ دیا (lines 14-16-18-21-22-33-36)۔اس کے بعد ایک بار پھر کلیئر (Claire) نے اپنے ردعمل کی وضاحت پیش کی جس میں میری (Mary) کے مصاحبے کے سوالوں کے بنیادی اصولوں کو اپنے نکات سے چیلنج کیا۔سب سے پہلا اعتراض یہی تھا کہ نسلی درجہ بندی کا تعلق معاشرے سے ہوتا ہے (lines 24-28)۔پھر یہ کہا کہ وہ جہاں سے تعلق رکھتی ہے وہاں یہ نسلی درجہ بندی معاشرے کے اصولوں کی دلیل نہیں دیتی (lines 30-37)۔ مثال نمبرا کی ابتدا میں میری اس بات کو سمجھنے میں ناکام ہوگئی اور کلیئر (Claire) کی اس بات سے اتفاق بھی کیا کہ میں ایک خلیجی شہر سے ہوں (I'm from Bay City)۔لائن نمبر ۳۰ میں مناسب ردعمل سوال وجواب کی صورت میں موصول ہوا (lines 31-32 Okay, (that sort of) works))۔لائن نمبر ۳۱-۳۲ میں تاہم کرسٹائن پھر ابتدا ہی میں کلیئر (Claire) کی باتوں میں طنزیہ لہجے کو سمجھ گئیں اور لائن ۳۳ میں کلیئر کی باتوں کو واضح کیا (کس قسم کا سفید فام معاشرہ ہے؟) (What kind of white culture i@s (that)?)۔پھر لائن نمبر ۳۴ میں کلیئر (Claire) نے کرسٹائن (Christine) کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے جواب دیا کہ میں جانتی ہوں (I@ kn@ow!; line 34)۔ طالب علموں کے جوابات کو مصاحبے کے دوران تقابلی محرکات اور مقامی نسلیاتی معنوں میں ڈھالنے کے بجائے درجہ بندی کے ڈھانچے میں ترتیب دینے سے محقق اُن جوابات کے باہمی تعلق یا موازنے سے مصاحبوں کے اختتام تک آگاہ نہیں ہوتا۔

مصاحبے کی یہ مثالیں گفت گو کے دوران جامد درجہ بندیوں جیسا کہ نسلی درجہ بندیوں اور نسلی جغرافیائی پہلوؤں کے تقابلی لچک دار رویوں کی وضاحت کرتی ہیں۔موجودہ صورت حال میں گفت گو کے تجزیہ کے بعد یہ واضح ہوا ہے کہ وہ تمام طالب علم جنھوں نے نسلی درجہ بندی کے سوال پر مشکوک جوابات دیے، اُنھوں نے عموماً ہچکچاتے ہوتے اپنے آپ کو سفید فام کے طور پر ظاہر کیا۔پس اس تجزیے سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ طالب علموں کا خود کو نسلی درجہ بندی میں منتخب کرنے کا عمل، مصاحبوں کے دوران سفید فام طالب علموں کے نسلی جغرافیائی پہلو کے تقابلی خدوخال (interactional patterns) پر روشنی ڈالتا ہے جس سے بیسٹی ہائی اسکول (Bay City High School) کے یورپی امریکی طالب علموں میں نسلی اور معاشرتی درجہ بندی کے سیاسی ڈھانچے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔جب کہ امریکہ کے زیادہ تر علاقوں میں چند سفید یا سیاہ فام اکثریت میں زیادہ ہونے کی وجہ سے معاشرتی درجہ بندی کے زمرے میں نہیں آتے، لیکن مخصوص تناظر میں اُن کی درجہ بندی کی نشان دہی کی وضاحت کی گئی ہے (Bucholtz and Trechter 2001)[۹۰]۔اس اسکول میں معاشرتی درجہ بندیوں میں کشیدگی دیکھنے میں آئی کہ سفید فام طالب علم اسکول میں اکثریت میں نہ تھے۔اگرچہ معاشرتی درجہ بندی کے لحاظ سے وہ سب سے بڑا گروپ تھے۔دونوں کو ملا کے یہ بات اخذ کی گئی کہ سفید فام طالب علموں کو درجہ بندی کے لحاظ سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔اسکول میں یورپی اور امریکی نوجوانوں کے لیے اپنی نسلی درجہ بندی اور معاشرتی

درجہ بندی سے واقف ہونا کوئی اچھا تجربہ نہیں تھا۔نسلی درجہ بندی کے ردعمل میں کلیئر (Claire)اوراس جیسے کافی طالب علموں نے سفید فام سے متعلق اپنے رنگندھاپن کا اعتراف کیا جسے پولاک (Pollock 2005)[۹۱] نے colormuteness کا بھی نام دیا لیکن اس رنگندھاپن کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے اپنے آپ کونسلی اور معاشرتی درجہ بندی سے بھی بالاتر تصور کیا۔اس کے علاوہ امریکی معاشرے کی ایک متفقہ سوچ یہ بھی تھی کہ مقامی سماج میں سفید فام ہونے کی نشان دہی ہونے کے باوجود بے سٹی ہائی اسکول میں اس کونسلی یا معاشرتی درجہ بندی میں شامل نہیں کیا گیا،لیکن سفید فام نوجوانوں کے عنوان سے اُن کو تصور کیا جاتا تھا۔ طالب علموں کے اس سفید رنگ کو معاشرے کی غیر موجودگی سے تشبیہ دی جاتی تھی جو امریکی معاشرے کا مشترکہ نقطۂ نظر ہے(cf. Frankenberg 1993)[۹۲]۔اس طرح کلیئر (Claire) نے مثال نمبر۳ میں یہ تجویز کیا کہ اگرچہ سفید فام گروپ اپنے آپ کو اُن لوگوں سے کم تر سمجھنے لگے جو نسلی اور معاشرتی درجہ بندیوں کا حصہ بنے ،لیکن انہوں نے اسکول کی طرف سے مہیا کی گئی نسلی درجہ بندیوں سے متعلق مختلف سرگرمیوں اور کارکردگیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔تحقیقی مصاحبے کے دوران سفید فام لوگ اپنے آپ کو درجہ بندیوں کے عمل میں منتخب کر سکتے تھے اور اپنی جگہ بنا سکتے تھے حالاں کہ یہ تھوڑا سا مشکل کام تھا لیکن ہر انسان کا اس عمل سے واسطہ پڑتا ہے جو روزمرہ کی سرگرمیوں میں شخصیت کو ایک شناخت دیتا ہے۔

اس تحقیق میں محقق کا سفید فام ہونا بھی تحقیقی عمل پر اثر انداز ہوتا ہے۔بکلٹز نے سفید فام طالب علموں سے انٹرویو لیے۔اُنہوں نے بہت آزادنہ طور پر کسی دباؤ کے بغیر اپنی زندگی کے کچھ واقعات بتائے جو معاشرتی درجہ بندیوں کی وجہ سے رونما ہوئے اور اِن کی زندگی کو متاثر کیا اور جن میں اِن کو معاشرتی طور پر سماج کے ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ایسے طالب علموں میں زیادہ تر ایشیائی امریکی تھے جو رنگندھاپن کا شکار نہیں تھے۔ یہ طالب علم اسکول میں یورپی امریکی طالب علموں کے ساتھ ایک ہی درجہ بندی کے گروہ میں تصور کیے جاتے تھے۔بکلٹز کا خود ایک سفید فام شہری ہونا مصاحبے کے دوران سفید فام طالب علموں کے نسلی درجوں کے متعلق مشکوک جوابات اور رنگندھے پن کو مستند کرتا ہے جو مصاحبہ کاروں کے لیے سیاسی طور پر بہت معنی خیز بات ہے۔

اس طرح کے مختلف مصاحبوں میں مصاحبہ دہندوں کے ردعمل کا انحصار ان کے بارے میں معلومات اور اُن کے مصاحبوں کی تحقیقی صورتحال اور اُن کے کردار پر تھا۔اس طرح کے بہ ظاہر سادہ سوالات کے ذریعے غیر جانبدارانہ مطلوبہ معلومات کو حاصل کرنا تھا۔جن کی مدد سے اُن تمام سماجی اور نسلی درجہ بندیوں کا موازنہ کیا جا سکے جو نسلی جغرافیائی تحقیقات (ethnographic research) سے پیدا ہو رہی ہیں،لیکن اس کے برعکس مصاحبہ دہندوں نے امریکہ میں موجودہ گروہی اور نسلی غیر مناسب درجہ بندیوں سے متعلق بہت ہی پیچیدہ نظریات اور شناخت کا ایک گروہ اپنے جوابات کے ذریعے سے مصاحب کاروں تک پہنچایا ہے۔اس لیے سماجی وثقافتی لسانیات کے محققین کی ایک بڑی تعداد نے تحقیق میں مصاحبوں کے طریقہ کار پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس طریقہ کار کا استعمال سماجی وثقافتی لسانیات اور

لسانی بشریات میں کافی حد تک بڑھ چکا ہے اس لیے ڈیٹا کا تجزیہ کرنے کے دوران نسلی جغرافیائی اور باہمی گفت گو کے طریقے (ethnographic and interactional methods) اپنائے جاتے ہیں تا کہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ محققین کے مصاحبوں کے ذریعے صرف ماضی کی معلومات ہی اکٹھی نہیں کی جاتیں یا مختلف لسانی متغیرات کو اکٹھا نہیں کیا جاتا بل کہ سیاق وسباق سے بھرپور لسانی تحقیق پر مشتمل بہت ہی اہم معلومات کی فراہمی کو بھی یقینی بنایا جاتا ہے۔

عالم گیریت سماجی وثقافتی لسانیات کے تناظر میں

گروہی جغرافیائی اور باہمی تقابلی سیاست کے لحاظ سے تحقیق کے لیے دوسرا مضمون زبان اور عالم گیریت کا ہے۔ یہ ایسا مضمون ہے جس نے پچھلے دس سالوں میں لسانیاتی علمی کام میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ اگر چہ لسانی بشریات کو اکثر انگریزی نہ بولنے والوں اور غیر مغربی معاشروں کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے۔ مضحکہ خیز طور پر یہ سماجی لسانیات ہے جو کہ زیادہ تر لسانی بشریاتی محققین کی تنقید کا شکار بنتی ہے جو اعلیٰ درجے کی انگریزی بولنے والی قومی ریاستوں کو مرتکز کرتے ہیں۔ زبان اور عالم گیریت پر محققین کی ایک بڑی تعداد علمی کام کر رہی ہے۔ اس تحقیق کا زیادہ حصہ زبان کی عمرانیات (sociology of language) یا اطلاقی (سماجی) لسانیات کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔ جب کہ تحقیق کی یہ مختلف روایات اگر اپنے مشترکہ مفاد کو ملحوظ خاطر رکھتی ہیں تو زبان کی عمرانیات (sociology of language) کا دائرۂ کار زبان، نسلیت اور قومیت کے انگریزی کے ساتھ باہمی تعلقات سے بحث تک وسیع ہو جاتا ہے۔ جب کہ اطلاقی لسانیات میں زبان کی پالیسی، منصوبہ بندی کے لحاظ سے انگریزی زبان کی شمولیت اور انگریزی زبان کو بین الاقوامی یا غیر مقامی زبان کے طور پر پڑھانے کے ساتھ ساتھ لسانیات کی ان دونوں شاخوں سے متعلقہ محققین نے یہ کہا ہے کہ انگریزی ہمیں ایک بین الاقوامی دارالحکومت مہیا کرتی ہے۔ جدید دور میں بڑھتی ہوئی عالم گیریت دنیا کے باشندوں کے لیے نا قابل مزاحمت ہے اور اسی لیے اسے بین الاقوامی اہمیت بھی حاصل ہے (Fishman, Conrad and Rubal-Lopez 1996; Goke-Pariola 1993; Morrison and Lui 2000) [۹۳،۹۴،۹۵] کی زیادہ تر تحقیقات تعلیم میں انگریزی زبان کے بین الاقوامی استعمال سے متعلق ہے۔ اس کے ذریعے ترقی پذیر ممالک میں انگریزی کو مقامی زبان کی پالیسی میں ضم کرنے کے مختلف طریقے بیان کیے گئے ہیں تا کہ مختلف مضامین کو عالم گیریت کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ خاص طور پر سائنس اور ٹیکنالوجی سے متعلقہ مختلف مضامین کی حدود کا تعین کرنا بھی درج بالا تحقیقات کا حصہ ہے۔ مثال کے طور پر گریب اور کاپلن (Grabe and Kaplan 1986)[۹۶]۔ اس طرح کی تحقیقات میں انگریزی زبان کے نشر واشاعت اور اشتہارات میں بین الاقوامی سطح پر استعمال پر مختلف علمی کاموں کے ذریعے سے فروغ دیا گیا۔ جس کی وجہ سے بین الاقوامی، قومی اور مقامی سطح پر موجود صنعتوں نے اپنے خیالات اور اشیا کی فروخت کو انگریزی

زبان سے وابستہ کرلیا جو جدیدیت کا ایک اہم پہلو بھی ہے(Piller 2003)[۹۷]۔

معاشرے اور قومی سطح سے لے کر بین الاقوامی سطح تک انگریزی زبان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔جس نے سیاسی طور پر وابستہ محققین کی تحقیقات کو فروغ دیا تا کہ موجودہ قومی ریاستوں سے وابستہ مختلف روایتی لسانی ڈھانچوں میں انگریزی زبان کے استعمال کو مزید فرغ دیا جائے،مثال کے طور پر فلپ سن(Phillipson 1992)[۹۸] اور سکٹ نیب کنگاس(Skutnabb-Kangas 2000)[۹۹]۔لیکن اگر ہم روایت پسندی، جدیدیت اور اس سے منسلک زبانوں کے بامقصد تعلق کا تجزیہ کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ادب کے زیادہ تر پہلوؤں میں بشریاتی،پسِ نوآبادیاتی اور پس ساختیاتی مغربی لباس میں وجود کو نظر انداز کیا گیا ہے۔اس طرح ادب سے لاعلمی کے ساتھ انگریزی زبان کا ایک طرفہ تصور پیش کیا جس نے انگریزی زبان کو لسانی بالادستی کے لیے ایک بین الاقوامی ذریعہ قرار دیا۔اس بات کا اظہار الستر پینی کک (Alistair Pennycook) نے اپنی تحریر"homogeny position" میں 2003ء میں کیا[۱۰۰]۔اس کے برعکس براج کچرو(Braj Kachru) نے 1992ء میں اپنا 'World Englishes' (دنیا میں انگریزی زبان کے مختلف لہجوں) کا ایک متقابل ماڈل پیش کیا[۱۰۱]۔اُنہوں نے پینی کوک(Pennycook) کے پیش کیے خیالات کے متوازی رویہ دیا جس میں انگریزی زبان کی عالم گیریت کے یک طرفہ پہلوؤں اور تصورات کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ انہوں نے انگریزی زبان کے بین الاقوامی سطح پر استعمال کی وسعت کو بیان کیا،لیکن اس کے علاوہ کچرو نے دنیا میں انگریزی زبان کے بولے جانے والے مختلف لہجوں کا مختلف خطوں کی قومی حدود کے تناظر میں موازنہ بھی کیا۔اس سے انگریزی زبان کے ان لہجوں کو قومی سطح پر اندرونی یا بیرونی پھیلتے ہوئے زمروں میں ڈھالا گیا ہے۔جیسا کہ آسٹریلوی،انگریزی یا ہندوستانی انگریزی کے ہر سطح پر اپنے مسائل ہیں،لیکن کسی بھی سطح پر کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو ایک قومی ریاست میں انگریزی زبان کے وقوع یا مخالف پہلوؤں کو نظر انداز کر سکے۔اس طرح کی صورت حال انگریزی زبان کو اس کی شناخت اور تقابلی نقطۂ نظر سے ایک غیر سیاسی ڈھانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ ایک ایسا ڈھانچہ ہے جس میں کسی قسم کی کوئی معاشرتی و سیاسی علامات بالکل موجود نہیں ہیں جو کسی بھی استحقاق کو جھٹلا یا منظور کر سکے۔

بول چال کے موضوعات کی تفصیلات کو سمجھتے ہوئے ہم تیزی سے عالم گیریت کی طرف رواں دنیا میں انگریزی زبان کیا ستعمال کے تناظر میں غیر نسلیت اور ہم نسلی مشابہت میں گم ہو گئے ہیں۔اس کے علاوہ دلیلی مفروضات ہم نسلی مشابہت میں گم ہو گئے ہیں۔اس عالم گیر الحاق میں غیر سنجیدہ اور مزاحمتی طبقات،تحقیقات میں رکاوٹ بن جاتیہیں۔جب کہ غیر نسلیت پرستی پر مبنی قومیت میں پیوستہ مفروضات جو ترجمانی لسانیات کا رجحان رکھتے ہیں شخصیت اور پہچان سے متعلق تحقیقات میں مختلف پیرایوں میں رخنہ ڈالتے ہیں۔تازہ ترین تحقیقات نے عالم گیریت میں آمیزش کو پرکھتے ہوئے اِن

حدود پر اعتراض کرنا شروع کر دیا ہے جو مقامیت کے ساتھ تبدیل ہو گئیں۔ ذرائع صحافت پر مرتکز کام، مثال کے طور پر، واضح کرتا ہے کہ بعض اُوقات گفت گو کے عمومی دائرے اور اقتدار سے ہٹنا بھی پڑتا ہے(Martin 2002)[۱۰۲]۔ مقامی زبانوں میں انگریزی کی آمیزش کا مطالعہ کرتے ہوئے غیر انگریزی اشتہار بازی میں اُن گروہوں کیلیے اشیا کو بہت پیچیدہ پایا جاتا ہے جو انگریزی ترجمے کی رغبت سے دور ہیں۔ بھاٹیا اور پیلر (Bhatia 2000; Piller 2001)[۱۰۳،۱۰۴] کے مطابق انگریزی کی متبادل اقسام کا عالم گیر پھیلاؤ جو مختلف نوع کے تقاضوں کی آمیزش سے منسلک ہے، اس کی تحقیق انگریزی کے مختلف بین الاقوامی تصرف پر زور دیتی ہے۔ ایسی تحقیقات یہ اُجاگر کرتی ہیں کہ انگریزی کی غیر معیاری اقسام خاص طور پر افریقی امریکی مقامی زبان اور دو ثقافتی ملکی زبان(Alim 2004)[۱۰۵] مقامی زبانوں کے ساتھ یہ دو نسلی اور ترجمانی شناخت کے لیے با آسانی ملاپ کر لیتی ہیں اس ملاپ میں قومی زبانوں کی نظریاتی بنیاد کے خلاف مزاحمت اکثر اُوقات ردِعمل کی صورت میں دیکھی گئی ہے زبان کے رویوں پر تغیراتی کام نے اس رجحان کو مزید تقویت دی ہے۔ جب محققین نے تصور کرنا شروع کیا کہ تغیرات انگریزی کے بیرونی وقار کی اقسام میں وصف (attributes) پیدا کرتے ہیں اُنہیں مقامی الفاظ میں بہتر طور پر نظریاتی اصول میں ڈھالا گیا۔ خاص طور پر جب مقررین خود زبان کی ایک قسم کی وسعت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں(Meyer and Niedzielski 2003)[۱۰۶]۔

تحقیق کی وسیع العریض سمتوں میں عالم گیر انگریزی کی اقسام کی یکساں و یکتا تشبیہات اور اس کے افعال کی روشنی میں ایسی تحقیقات کو اُن عوامل کی مدد سے بڑھایا جا سکتا ہے، جن میں تعین مقامی اور مزاحمتی سیاق و سباق، سماجی طبقات (گروہ) اور مکالماتی موازنہ نسلی جغرافیے کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ متبادل لسانی میدان (market places) لسانی علم بشریات کی حدود کے اندر ابتدا میں تحقیق بنیادی و مرکزی نقطے کی حیثیت سے اُبھری، جس کی شروعات سوسن گال (Susan Gal 1987)[۱۰۷] اور کیھترین وُلارڈ (Kathryn Woolard 1985)[۱۰۸] (جیسے ماہرین لسانیات کے کام سے ہوئی جن کے مقابلے میں کوئی بھی کامیاب نہ تھا۔ لسانی تحقیق کی عدم موجودگی کی وجہ کی حقیقت یہ تھی کہ عالم گیر انگریزی نے حال ہی میں لسانی ماہرین بشریات کی توجہ مبذول کروانا شروع کی۔ مثال کے طور پر بس نیئر (Besnier 2004, 2007)[۱۰۹،۱۱۰]، لیپ اور بویل سٹروف (Leap and Boellstorff 2004)[۱۱۱] کی تحقیقات میں اطلاقی ماہرین لسانیات یا ذرائع ابلاغ کے تجربہ کاروں کی نسبت اس لسانی تحقیق کی جانب زیادہ مائل تھی۔ مقامی موضوعات جو نسل نگاری کے تجربات کی وجہ سے اہم تھے ان تجربہ کاروں کے لیے مہلک ثابت ہوئے۔ لہذا موجودہ ادب بنیادی اور ابتدائی طور پر تعلیم سے آراستہ اشرافیہ طبقے میں انگریزی کی عالم گیر افزائش کا مرکز تھا۔ اعلیٰ طبقے کے اظہار خیال کی اصناف مثلاً

ً صحافت، ٹیلی ویژن، فلم، تعلیم اور تشہیر کی مدد سے حکومت نے انگریزی اور مقامی زبانوں کے درمیان مطالعاتی ضوابط کے انتخاب میں انگریزی کے ادارک اور اس کے استعمال کے محض علامتی یا سرسری حوالہ جات پیش کیے۔ اُن طبقوں کے لیے جن کا تعلق عام حیثیت کی جماعت یا گروہ سے تھا۔ ایسی تحقیق بلاشبہ ناگریز حد تک اہم ہے، جس نے مختلف ایسے طریقوں کے ادارک میں خاطر خواہ اضافہ کیا جو لسانی نظریات کو میکانکی انداز میں سبوتاز کرتے ہیں تاکہ سماجی بالادستی کو برقرار رکھا جا سکے اور یہ رجحان قومی اور بین الاقوامی سطح تک پہنچ سکے۔ لیکن محقق کی تحقیق کا موضوع تحقیق کی خصوصیات کو امتیاز کے ساتھ بیان کرتا ہے تاکہ اس کے انتخاب کے دوران عدم اقلیتی نقطۂ نظر کے ساتھ ساتھ سماجی پیچیدگیوں کو بھی نظرانداز کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ یہ تحقیقات معاشروں کے مخصوص سماجی طبقات میں انگریزی کے غیر مقامی استعمال کا بھی مطالعہ کرتا ہے۔

نسلی جغرافیے پر مبنی انگریزی کی پذیرائی کا مطالعہ سیاق وسباق کے تناظر میں خصوصی سے عمومی سطح پر اصطلاح اور اتفاق رائے سے انگریزی کی بالادستی کی تفصیلات فراہم کرتا ہے۔ دنیا بھر کے طبقات میں انگریزی کی عالم گیر اقسام کا استعمال ہونا یا نہ ہونا اشارتاً جدت پسند یا روایتی ہے، لیکن تنقیدی پہلو سے طبقات کی نسلی، صنفی اور جنسی بنیادوں سے متعلق موضوعات کے عوامل جدت اور روایت کو جنم دیتے ہیں۔

اس کی مثال شہری آبادی والی نئی دہلی میں جنسی امتیاز کے حامل طبقات میں انگریزی کا استعمال ہے۔ جہاں انگریزی زبان خاص طور پر ہندی انگریزی کثیر اللسان اعلیٰ طبقات میں ایک ایسی چیز پر مشتمل ہے جو معاشرتی جنسی سرمایہ (sociosexual capital) کہلاتی ہے۔ دہلی کی خودنشان دہندہ نسواں ہم جنس پرست انگریزی کو بہ طور مناسب ذریعۂ اظہار گلے لگاتے ہیں یا خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں جب کہ ترقی پسند جنسیت کے اظہار کے لیے ہندی سے متعلق امتیازی رویوں کو مسترد کرتے ہیں۔ ہال (Hall) نے 2000ء اور 2001ء میں ان کی زندگی کی داستانیں جمع کیں جو جنسی شناخت سے متعلق روایتی اور جدید موقف کی نشان دہی پر مشتمل ہیں۔ ہندی اور انگریزی کی یہ داستانیں شمالی ہندوستان میں زبان کے نسلی جغرافیائی مطالعے، جنسیات، اور جدت کے لحاظ سے اہم ہیں۔ مثال نمبر ۱۳ اس رجحان کی ترجمانی کرتی نظر آتی ہے۔ دہلی کی ۴۳ سالہ خاتون سنگیتا جسے ہندی، انگریزی اور پنجابی پر یکساں طور پر عبور حاصل ہے، ایک خاتون سے رومانوی تعلق کے لیے امریکہ کے سفر پر جانا چاہتی ہے۔ اس کے اس فیصلے پر وہ والدین کے ردعمل کا اظہار کرتی ہے۔ اگرچہ سنگیتا اور اُس کے والدین جب گھر میں اکٹھے ہوتے ہیں تو بنیادی طور پر پنجابی بولتے ہیں۔ یہاں پر یہ اپنے باپ کی رضامندی کی تصریح انگریزی (سطر 9-7) اور ماں کی اختلافی تصریح ہندی میں بیان کرتی ہے (سطر 23 تا

17،21)۔(انگریزی مخصوص معیار کے سانچے میں پیش کی گئی ہے جب کہ ہندی ترچھے سانچے میں لکھی گئی ہے۔)

Example (3)

1	Sangita:	And I: (.) looked at him and I said but uh-
2		Papa maybe-
3		I still didn't have the guts <laughs> to say
4		(.) the word without maybe,
5		I said but (.) maybe I feel the same for her.
6		And he just looked at me and he says
7		"That's the end of the story then.
8		That's okay,
9		if you feel the same way for her."
10		And- I mean that was the initial (war).
11		It ended that day (.) but
12		(.) of course my mother started feeling (.) lost.
13		I think that night it started
14		and for a good two three months,
15		her health just went down.
16		She just kept saying "*Babal* what-
		She just kept saying "*Child,* what-
17		*tū kyā kar rahī hai,*
		What are you doing?
18		*tū kyā kar rahī hai*,
		What are you doing?
19		*di- di- dimāg mẽ (.) kisne yah bhar diyā hai.*
		Who has corrupted your mind?
20		*mat kar aise.*
		Don't do all this!
21		*yahā̃ pe sab kuch hai.*"
		Everything you need is here."
22		And then it was also like uh-
23		"*tū hamāre buṛhāpe kā sahārā thī.*"
		"*You were going to support us in our old age."*

ہال(Hall) نے جو کہانیاں کثیر اللسان متوسط طبقہ سے جمع کیں ان کی حدود میں آوازوں کی وسعت پذیر تنظیمی نمونہ کاری یہ ثبوت مہیا کرتی ہے کہ شہری دہلی میں ہندی اور انگریزی بے تکلفانہ انداز میں روزمرہ کے جنسی موضوعات پر بحث کے دوران استعمال کرتے ہیں۔ لسانیات میں تسلیم کیا جا چکا ہے کہ کہانیوں میں بالواسطہ بیان (reported speech) گذشتہ مکالماتی حقیقت سے بہت کم مطابقت رکھتا ہے۔ غالباً یہ زیادہ تر بہ طور آلہ استعمال ہوتا ہے جو کسی عمل کی تشخیص کے لیے پیش کیا جاتا ہے(Tannen 1989)[۱۱۲]۔ جب سنگیتا دوسرے خاندان سے بعد میں باہمی تعلق قائم کرتی ہے تو منظوری اور نامنظوری کے تضاد کو بالکل بدل دیتی ہے۔ اس کا باپ تنقیدی رویے کا حامل ہوتا ہے اور اس کی ماں

رضامندی کی طرف زیادہ راغب دکھائی دیتی ہے۔ان سے منسوب زبانیں ہی اس کے برعکس ہو جاتی ہیں۔ برطانوی نو آبادکاری کے وقت سے سنگیتا کے طبقے کی عورتیں ہندوستانی انگریزی کی متعدد اقسام پر عبور رکھتی ہیں۔ہال (Hall) کی نسلی جغرافیائی تحقیق یہ تجویز کرتی ہے کہ یہ عبور جنسیات کے حقائق بھی شامل کرتا ہے۔جنسی تعلقات اور جنسی شناخت پر مباحثوں کے لیے انگریزی بہ طور ذریعہ متوقع ہے لیکن لازم نہیں ہے کہ جنسیات سے متعلق ترقی پسندانہ خیالات کی عالم گیر حیثیت میں اس کا ادارک ہو۔

نسلی جغرافیائی تحقیق کے مشاہدے کے مطابق کوڈ سوئچنگ (code-switching) مشقیں درجہ بہ درجہ انواع لسانی کے ان مخصوص عملی اور حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر کے اشتراک کے ساتھ چلائی جاتی ہیں جو ایک طویل عرصہ تک سماجی لسانیات اور لسانی بشریات کی بنیادی بصیرت رہی ہے) (Blom and Gumperz 1986 [1972]) [۱۱۳]۔ان مشقیں بصیرت کے انفرادی موضوعات پر مرکوز ہیں۔ایسے تعلقات کیا، کیسے اور کیوں کی جامع تفصیل مہیا کرتے ہیں، جو ایک ہی نوع اور متفرق انواع کی مثالوں میں موجود ہیں۔عالم گیر انگریزی کے غایتی نقطۂ نظر کی حمایت میں سنگیتا کی کہانی کا یکتا تجربہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔کیوں کہ انگریزی اور ہندی مختلف طریقوں سے روایت اور جدیدیت کا تسلسل ظاہر کرتی ہیں۔سنگیتا کی کہانی کے مفروضات ہندوستانی انگریزی کی اقسام اور اس کے افعال غیر جانب دار سیاسی تجزیے کے طور پر استعمال کیے جا سکتے ہیں۔سنگیتا کی نسبت نچلے سماجی معاشی طبقات کی خواتین جدید جنسیت کے اظہار کے لیے ہندی کو استعمال کرتے ہوئے شراکت داری نہیں کرتیں۔

ہال (Hall) کے تحقیقی مطالعے کے مطابق وہاں مختلف سماجی معاشی طبقات سے تعلق رکھنے والی خواتین ملتی ہیں مثلاً ایک غیر سرکاری تنظیم ہے۔یہ خواتین کی ایک جماعت ہے جو اس خیال کو کہ "وہ خواتین سے پیار کرتی ہیں" کی حمایت کرتی ہیں۔ ہندی کے مقابل انگریزی کا استعمال مقامی طبقاتی جدوجہد کے مقامی پس منظر کی مخالفت میں اُبھرتا ہے۔ موجودہ ہندوستان کے گردونواح میں دوسری تنظیموں کی طرح یہ تنظیم بھی ایڈز (AIDS) ایچ-آئی-وی (HIV) سے بچاؤ اور جنسی تعلیم کی تائید میں سماجی بالادستی کے لیے نئی صلاحیت اور طاقت پیدا کرتے ہوئے طبقاتی شناخت اور زبان کے لحاظ سے ایک جداگانہ طبقہ بناتی ہے۔مزید برآں خودنشان دہندہ ہم جنس پرست مرد کی نسبت غیر سرکاری تنظیم نچلے طبقے کے (مخنث) لڑکوں کو نسبتاً زیادہ خندہ دلی سے قبول کرتے ہیں (Hall 2005) [۱۱۴]۔ان ہم جنس پرستوں کا تعلق اُونچے متوسط طبقے سے ہوتا ہے۔ہال ایک (مقامی عورت سے) تبدیل شدہ مرد مخنث یا ہیجڑے سے مصاحبہ لیتی ہیں جو جنسی آمیزش رکھتا ہے۔وہ روایتی ہندوستان سے جڑے ہوئے صنفی کرداروں کو برقرار رکھتے ہیں۔نمایاں طور پر سہیلی رکھنے کے لیے لڑکے تبدیلی جنس کے لیے جراحت کروانے کی خواہش کرتے ہیں جب کہ یہ مخنث ہم جنس پرستی کی سخت مخالف نظر آتا ہے۔ہم جنس پرستوں کا اعلیٰ درجے سے تعلق ہے اور یہ اپنے اظہارِ خیال کو روزمرہ کی غیر سرکاری تنظیموں سے جوڑنے کا زیادہ رُجحان رکھتے ہیں۔

جب کہ لڑکے اور نسوانی ہم جنس پرست اپنے جماعتی دائرۂ کار میں خود کو مختلف نہیں سمجھتے ، سماجی و معاشی طور پر مساوی ہونے کی حیثیت میں اپنی اعلیٰ طبقے اور غیر ہندوستانی جنسی شناخت کا ادراک کرتے ہیں۔ اس جنسی شناخت کی مخالفت میں نچلے درجے کی گروہ بندی کا رجحان بھی موجود ہے۔ یہ لڑکے ہندی اور انگریزی میں ذولسان ہیں۔ یہ عموماً جنسیت کے بارے میں ہندی میں گفت گو کرتے ہیں جو اس جماعت کے تجربہ کار اراکین کے لیے مایوسی کا سبب بنتا ہے۔ انگریزی مباحثوں کے اہم لمحات میں ان کا ہندی استعمال کرنا روایتی جنسی قدروں سے اشتراک نہیں ہے بل کہ اعلیٰ طبقے کے جنسی نمونہ جات کو مسترد کرنا مقصود ہے، لیکن چوں کہ انگریزی مضبوطی کے ساتھ طبقاتی حرکت پذیری سے منسلک ہے، اس کا استعمال مقامی سیاق وسباق کے حوالے سے کبھی بھی غیر جانب دار نہیں ہے۔ بلاشبہ خود نشان کنندہ لڑکے جو کسی گروہ میں شامل ہوتے ہیں۔ زبان کی اُس کوڈ سوئچنگ (code-switching) میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں، جن کی اُوپر نشان دہی کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انگریزی اپنے استعمال کنندہ کے لیے سماجی جنسیاتی حرکت پذیری کی ترجمانی ظاہر ہوتی ہے۔ چند ماہ کے عرصے پر محیط صوتی تدوین (audio recordings) کی تفصیل بتاتی ہے کہ سنگیتا کی کہانی کی پیچ دار خصوصیت کے بڑھتے ہوئے جنسی دائرۂ اختیار میں انگریزی کے یک لفظی استعمال سے یہ نئے آنیوالے ہم جنس پرست اپنے ساتھیوں کی نظریاتی نمونہ سازی کے مطابق خود کو ڈھال لیتے ہیں۔ حکومت، تعلیم اور ذرائع ابلاغ کے غالب اظہار خیال (discourses) کی وجہ سے لسانی مشق میں رونما ہونیوالی تبدیلیوں کو فروغ ملا۔ دہلی کی اس تنظیم کی مثال میں وہ لڑکے جو کوڈ سوئچنگ (code-switching) نمونہ جات میں دہلی کے اعلیٰ متوسط طبقے سے مطابقت قائم کرتے ہیں۔ زیادہ عرصہ بحیثیت لڑکے کے بجائے غالباً نسوانی ہم جنس پرست کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ تحقیق اُجاگر کرتی ہے کہ انگریزی کا عالم گیر پھیلاؤ کیسے بے تکلفانہ شناختی کام سے تعلق رکھتا ہے اور یہ روزمرہ کی زندگی کے تانے بانے سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا بل کہ جزولاینفک ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ طبقاتی بالادستی کے وسیع سطح کے روابط پر اس مقامی عمل کا انحصار ہے جو کہ نچلے طبقے کے لڑکوں کے ساتھ ہے۔ جنہیں روایتی جنسی موضوع کی صورت حال اور کیفیات کو انگریزی کی بنیاد پر سماجی جنسی حرکت پذیری کے لیے ترک کر دیتے ہیں۔ انگریزی کی یہ منتقلی مشکل کو ڈسوئچنگ (code-switching) ہے اور صرف نسلی جغرافیائی تحقیق کے ذریعے ہی اس سماجی وثقافتی صورت حال کی پیچیدگیاں واضح طور پر سمجھی جاسکتی ہیں۔

ہماری تحقیق کی یہ دو مختصر مثالیں سماجی وثقافتی لسانیات کی بین الکلیاتی صلاحیت یا قوت کو بیان کرتی ہیں۔ پہلی مثال ظاہر کرتی ہے کہ تحقیقی مصاحبہ سماجی لسانیات کے آشکار ہونے والے متغیرات یا پس پردہ منظر کی معلومات کا طریقہ کار نہیں ہے بل کہ غالباً ایک سماجی اور سیاست زدہ باہمی عمل ہے جو باریک بین تجرباتی توجہ کو معیار بناتا ہے۔ دوسری مثال گہری بصیرت کو اُجاگر کرتی ہے جو عالم گیریت اور انگریزی کے پھیلنے کے عمل کو وسیع سطح پر پرکھتی ہے اور نسلی جغرافیائی پہلو سے یہ ظاہر کرتی ہے کہ انگریزی معنوی اور شناختی نظام میں کیسے داخل ہوئی۔ دونوں مثالیں اس چیز کو بھی نمایاں کرتی ہیں کہ

کثیر التعداد نقطۂ نظر کا ملاپ سماجی وثقافتی عمل کے طور پر زبان کے بھرپور تناظر اور پیچیدہ حقیقت کا احاطہ کیسے کرتا ہے۔

تحقیق کے نتائج

اگر چہ کئی عشروں سے سماجی لسانیات، لسانی علم بشریات اور متعلقہ نقطۂ نظر کو نسبتاً احسن طریقے سے وضع کرنے والی شعبہ جاتی لکیر ان شعبہ جات کو الگ کرنے میں اہم کردار ادا نہیں کر سکی اور حالیہ پیش رفتوں نے عمل باہمی اور اشتراک کے لیے نکات کے مواقع پیدا کیے ہیں۔ سماجی وثقافتی لسانیات کی ابتدا ہی سے بہت سے علما اس کے ایک ہی شعبہ ہونے کے دعوے سے گریزاں تھے۔ اور اس شعبے کی تحقیق کو ایک ایسی تحقیق تصور کرتے ہیں جو بہ یک وقت دو یا دو سے زیادہ روایات کے مابین بالترتیب شراکت داری کرتی ہو۔ ہم نے خود اپنی کی گئی تحقیق میں جن مثالوں کا تجربہ کیا وہ تجویز کرتی ہیں کہ دوسرے مسائل کے ساتھ وسیع سماجی مسائل جیسے نسل اور عالم گیریت کے مسائل سے متعلق تحقیق کو سماجی وثقافتی لسانیات کے محقق موثر انداز میں آگے بڑھا سکتے ہیں جو طریقیاتی اور تصوراتی آلات کے تخلیقی ملاپ سے ممکن ہے۔ آگے دیے گئے مقالہ جات مختلف سماجی وثقافتی نقطہ نظر کے ساتھ نمودار ہونے والی زبانوں کی دستاویز بندی کرتے ہیں اور روایات کی حدود پر کام کرنے والے علما کی شراکت داری کو اُجاگر کرتے ہیں۔

شعبہ جاتی حجم کی کمی کے ایک خاص دور میں جامعہ کے تخمینے میں کمی اور اعلیٰ تعلیم کی تنظیمی (Corporatization) تبدیلی زبان، ثقافت اور زبان کے مطالعے کے لیے اتحادی رسائی یا نقطۂ نظر معاشرے کی عالمانہ عیاشی نہیں بل کہ سیاسی ضرورت ہے۔ سماجی وثقافتی لسانیات کو اس کی تعریفوں کی روشنی میں چھوٹے شعبے کے طور پر تصور کیا گیا۔ دانش ورانہ طور پر متحرک رکھنے اور ادارتی لحاظ سے شعبے جاتی حدود میں اُبھرے آہن گر اشتراک واتحاد ایک طریقہ ہے۔ سماجی وثقافتی لسانیات کے متحرک رہنے کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے مضامین کی تحقیق کید وران اس کے وسیع اطلاق کو برقرار رکھا جائے۔ ایک مخصوص تحقیقی سوال یا نقطہ نظر جو عالمانہ فرمان سے بالاتر ہوتا ہے، آسانی سے مصنوعی سرحدوں کو ختم کر دے گا۔ جنہیں ختم کرنے کے لیے بہت سے محقق کچھ عرصہ تک تکلیف واذیت کا شکار رہے (Meyerhoff 2003)[۱۱۵]۔ اس کے باوجود ہم محقق اپنے تعصّبات اور ترجیحات رکھتے ہیں جن سے متعلق تحقیقی رجحانات فائدہ منداور دل چسپ ہیں، لیکن ہم بہ طور محقق اپنے تعصّبات دوسروں پر مسلط کرنے کی خواہش نہیں رکھتے۔ کیوں کہ ہمارا یقین ہے کہ جدید خیالات اور ممکنہ نقطہ نظر ایک منفرد دانش ورانہ فضا میں ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ ہماری ترجیحات کی بنیاد شعبے کے موجودہ مقام پر منحصر ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شعبے کے بدلنے کے ساتھ یہ بھی بدل جائیں گی۔ کہا جاتا ہے کہ نظریات کی ہماری ذاتی team dream کا طریقہ کار، مسائل اور سماجی وثقافتی لسانیات کے لیے نقطۂ نظر جو ہم دیکھنا چاہتے ہیں ان میں ذیلی اداروں کی درج ذیل قوتیں لازمی شامل کریں گے۔ ان میں سے کچھ بہ طور مثال اس شمارے میں بیان کی گی ہیں۔

1۔ لسانی علمی بشریات کی نسلی جغرافیائی بنیاد اور مکالماتی تجزیے میں روزمرہ کی گفت گو اور حرکات وسکنات پر مشتمل

طریقہ کی حیثیت جو مختلف پیرایوں میں شامل کنندہ کے پہلوؤں اور نقطۂ نظر کو اُن تجزیہ نگاروں کی نسبت زیادہ استحقاق دیتی ہے۔

2۔ مقداری سماجی وثقافتی لسانیات کی تحقیق کے مضبوط تجزیاتی آلات اور لسانیات اور باہمی عمل کے ڈھانچوں کی تفصیلی تفتیش کے لیے گفت گو پر مبنی تجزیہ (برائے اول الذکر ایکرٹ (Eckert) اور آخر الذکر کے لیے سڈنل (Sidnell) ملاحظہ کیجیے)[۱۱۶]۔

3۔ اظہار خیال کے تنقیدی تجزیے کے متن کی طرف توجہ کی اہمیت کو جاننا اور ذرائع ابلاغ کی تمام اقسام بحیثیت ایک ضروری اور غیر تصوراتی باہمی گفت گو کا تجزیہ۔

4۔ گفت گو کے مواد اور اس کے ڈھانچے پر سماجی وثقافتی لحاظ سے توجہ اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے باہمی تعلق کا لسانی جائزہ۔ وولارڈ (Woolard) اسی جلد میں[۱۱۷]۔

5۔ لسانیاتی بشریات ،تنقیدی تجزیۂ کلامیہ، زبان ،صنف، جنسیاتی مطالعہ اور برطانیہ میں ہونے والی سماجی وثقافتی لسانیاتی تحقیق کے تناظر میں معاشرتی نظریے کی تفہیم۔ ہیلر (Heller) اسی جلد میں[۱۱۸]۔

6- اطلاقی لسانیات کی مشکل کشا سمت کا تعین جو اہم، کمزور مشغولیت اور تنقیدی مکالمے کی سیاسی ترقی پسند عزم سے متصل ہو۔ زبان، صنف، مطالعہ جنسیات اور اقلیتی زبانوں کے مکالمات پر سماجی وثقافتی لسانیاتی اور سماجی بشریاتی تحقیق۔

یہ آخری چیز خاص طور پر اہم ہے سماجی انصاف پر تشویش نے ابتدا ہی سے سماجی وثقافتی لسانیات کی حوصلہ افزائی کی۔ گمپرز (Gumperz 1982)[۱۱۹]، ہائمز (Hymes 1974)[۱۲۰]، لیبو (Labov 1972b)[۱۲۱] کی تحقیق کا وسیع حصہ جو بحث کی سماجی عدم مساوات کو اُجاگر کرتا ہے۔ جو مختلف پیرایوں میں زبان کی تحقیق میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ ایک سیاسی اور دانش ورانہ منصوبے کی حیثیت سے سماجی وثقافتی لسانیات کی طرف عزم کا دوبارہ اعادہ امریکی (US) سماجی وثقافتی لسانیات اور لسانی علم بشریات کو سیاسی بشریاتی لسانیات کی طرف گامزن کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔ جس کے لیے زنٹیلا (Zentella 1996)[۱۲۲] نے ایک دہائی قبل پکارا تھا۔ مزید برآں لسانی مسائل کی دستاویز بندی سے ہٹ کر ایک عملی ارتقاز سماجی مسائل کی شناخت پر ہے۔ جن کا بامعنی حل مدد کی پیش کش کرتے ہوئے یقین دہانی کراتا ہے کہ علمی اور شعبہ جاتی عمل تغیر پذیر رہیگا، جو علمی حلقے اور حقیقی دُنیا کے درمیان سماجی وثقافتی لسانیات سے متعلقہ ہوگا۔

حواشی

1- ہم اس رسالے کے مدیران کا بہت شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے اس خاص شمارے میں ہماری مدد کی اور اپنی قیمتی آرا سے اس کی نظر ثانی کے عمل کو بہتر بنایا۔ ہم لیمرک (Limerick) میں سماجی لسانیات کی سولھویں مجلس اور

آئرلینڈ (Ireland) میں جولائی 2006ء میں ہونے والی مجلس کے تمام سامعین کے بھی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمیں بروقت اپنی آرا سے آگاہ کیا۔اس کے علاوہ ہم سوگل (Sue Gal)، جان گمپرز (John Gumperz)، بن ریمپٹن (Ben Rampton) اور جیک سڈنل (Jack Sidnell) کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں زبان پر سماجی لسانیاتی تحقیق کے تاریخی پس منظر اور موجودہ حالات سے متعلق اپنی قیمتی آرا سے آگاہ کیا۔اس تحقیقی مقالے میں کسی بھی قسم کی غلطی یا غیر مناسب اظہار کی ہم خود ذمہ داری لیتے ہیں۔

2- تاہم تحقیق کے دوران مختلف نظریات کا آپس میں ٹکراؤ دیکھا جاسکتا ہے، مثال کے طور پر مکالماتی تجزیے (conversation analysis) سے متعلق ہائمز (Hymes 1974:81; cited in Duranti 1997:265) [۱۲۳،۱۲۴] اور گف مین (Goffman 1976) [۱۲۵] کے خیالات میں اختلاف دیکھا گیا۔

3- جیک سڈنل (Jack Sidnell) کے ذاتی مکالمے کے مشاہدے کے مطابق ہائمز کے خیالات میں یہ تبدیلی دو وجوہات کی بنا پر ہوسکتی ہے۔1970ء کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں گف مین نے برکلی (Berkeley) کے عمرانیات کے شعبے سے اپنے آپ کو علیحدہ کر کے یونی ورسٹی آف پینسلوینیا (University of Pennsylvania) کے بشریات کے شعبے سے منسلک کرلیا۔سیکس (Sacks) اور شی گلف (Schegloff) کے مقالات اور باہمی بدلاؤ پر جیفرسن (Jefferson) کے 1947ء میں شائع ہونے والے مقالے سے شاید ہائمز کو عمرانیات میں مکالماتی تجزیاتی نظریے (conversation-analytic approach) اور سماجی لسانیات سے متعلق اپنے خیالات کے درمیان فرق واضح ہوا۔

4- سماجی لسانیات کو بہ طور اہم لسانی اصطلاح بڑے پیمانے پر استعمال کیا گیا۔ہائمز (Hymes 1974:86) [۱۲۶] کے تیس سال پہلے کے نظریات آج بھی اس اصطلاح کے تناظر میں درست ثابت ہوتے ہیں کہ: "یہ حقیقت ہے کہ کسی کے تحقیقی کام کو 'سماجی لسانی تحقیق' قرار دینے کے لیے اس بات کو ترجیح دی جاتی کہ کوئی ایک محقق کو سماجی لسانی محقق کا درجہ دے۔

5- لسانیاتی نسلیات (linguistic ethnography) کے شعبے کے تحت ہونے والی تحقیقات میں نازک اتحاد کئی لحاظ سے ہماری تحقیق کے میلاناتی نظریے کے مطابق ہے۔تاہم اس تحقیق میں بیان کیے گئے شعبے کا دائرہ کار وسیع ہے کیوں کہ یہ زبان، ثقافت اور سماج سے متعلقہ غیر نسلیاتی نظریات سے بھی بحث کرتا ہے۔

6- اس بات کا خطرہ بھی ہے کہ سماجی و ثقافتی لسانیات کی اصطلاحی تشریحات کو اس تحقیق کے دوران صرف لسانی شعبے سے منسلک کیا گیا ہے لیکن اس قسم کے نتائج کا مستقبل کی تحقیقات کے لیے حوالہ دینے کا ارادہ نہیں رکھا گیا۔

7- اس شمارے کو زبان اور صنف کی تحقیق کے تناظر میں دیکھنے کے لیے بکلٹز، ہال اور مورگن (Bucholtz 1999; Hall 2003 and Morgan 1999) [۱۲۷،۱۲۸،۱۲۹] کے نظریات سے مدد لی جاسکتی ہے۔

8- سماجی لحاظ سے کلامیے کے تجزیے (socially oriented discourse analysis) میں ڈھالی گئی زبان اور شناخت سے متعلقہ تحقیقات کا زیادہ تعلق اقلیت میں موجود ان لوگوں سے ہے، جو انگریزی زبان سمیت کئی زبانوں میں کوڈ-سوئچنگ (code-switching) کرتے ہیں۔ مثلاً مارا، سٹب اور ہولمز (Holmes, Stubbe and Marra 2003)[۱۳۰]، منڈوزا-ڈینٹن اور زینٹیلا (Mendoza-Denton 1999; Zentella 1997)[۱۳۱،۱۳۲]۔ لیکن چوں کہ یہ تحقیق ان قومی ریاستوں کے لوگوں پر ہوئی جہاں انگریزی زبان غالب تھی اس لیے اس تحقیق کو ایسے ادب کے بیان سے منسلک نہیں کیا جا سکتا جو زبان اور عالم گیریت کے باہمی پہلوؤں سے بحث کرے۔

حوالہ جات

1. Bauman, Richard and Joel Sherzer (eds). 1974.Explorations in the Ethnography of Speaking.Cambridge,U.K.:Cambridge University Press.

2. Bright, William (ed). 1966.Sociolinguistics.The Hague,The Netherlands: Mouton.

3. Giglioli,Pier Paolo (ed). 1972.Language and Social Context: Selected Readings. Harmondsworth,U.K.:Penguin.

4. Gumperz,JohnJ.and Dell Hymes(eds). 1964.The Ethnography of Communication. Special issue of American Anthropologist 66 (6,part2).

5. Hymes, Dell(ed).1964.Language in Culture and Society: A Reader in Linguistics and Anthropology. NewYork: Harper and Row.

6. Pride,J.B.and Janet Holmes(eds).1972.Sociolinguistics: Selected Readings. Harmondsworth,U.K.:Penguin.

7. Duranti, Alessandro. 2003. Language as culture in U.S. anthropology : Three paradigms.Current Anthropology 44:323–347.

8. Hymes, Dell. 1974. Foundations in Sociolinguistics :An Ethnographic Approach. Philadelphia, Pennsylvania: University of Pennsylvania Press.

9. Hymes, Dell. 1974. Foundations in Sociolinguistics :An Ethnographic Approach. Philadelphia, Pennsylvania: University of Pennsylvania Press.

10. Hymes, Dell. 1974. Foundations in Sociolinguistics :An Ethnographic Approach. Philadelphia, Pennsylvania: University of Pennsylvania Press.

11. Gumperz, John J. 1982. The sociolinguistics of interpersonal communication. In Discourse Strategies. Cambridge,U.K.:Cambridge University Press.9–37.

12. Duranti, Alessandro. 2001. Linguistic anthropology: History, ideas, and issues. In Alessandro Duranti (ed). Linguistic Anthropology: A Reader. Malden, Massachusetts: Blackwell.1–41.

13. Duranti, Alessandro. 2003. Language as culture in U.S. anthropology: Three

paradigms. Current Anthropology 44:323–347.

14. Gumperz, John J. 1972. Introduction. In John J. Gumperz and Dell Hymes (eds). Directions in Sociolinguistics:The Ethnography of Communication.New York: Holt, Rinehart and Winston.1–25.

15. Gumperz, John J. 1982. The sociolinguistics of interpersonal communication. In Discourse Strategies.Cambridge,U.K.:Cambridge University Press.9–37.

16. Gumperz, John J. 1999. On interactional sociolinguistic method. In Celia Roberts and Srikant Sarangi (eds). Talk, Work and Institutional Order :Discourse in Medical, Mediation and Management Settings. Berlin, Germany :Mouton de Gruyter.453–471.

17. Koerner, Konrad. 1991. Toward a history of modern sociolinguistics. American Speech 66:57–70.

18. Lerner, Gene H. (ed). 2004. Conversation Analysis :Studies from the First Generation. Amsterdam,The Netherlands: John Benjamins.

19. Murray, Stephen O.1998.American Sociolinguistics:Theorists and Theory Groups. Amsterdam,The Netherlands: John Benjamins.

20. Paulston, Christina Bratt and G. Richard Tucker (eds). 1997. The Early Days of Sociolinguistics :Memories and Reflections. Dallas, Texas : Summer Institute of Linguistics.

21. Shuy, Roger W. 1990. A brief history of American sociolinguistics 1949–1989. Historiographia Linguistica 17:183–209.

22. Blommaert, Jan. 2005.Discourse:A Critical Introduction.Cambridge,U.K.: Cambridge University Press.

23. Rampton, Ben. 2007. Neo-Hymesian linguistic ethnography in the United Kingdom. Journal of Sociolinguistics 11: 584–607.

24. Gumperz, John J. 1982.The sociolinguistics of interpersonal communication. In Discourse Strategies. Cambridge, U.K.:Cambridge University Press.9–37.

25. Roberts, Celia, Evelyn Davies and Tom Jupp.1992.Language and Discrimination: A Study of Communication in Multi-Ethnic Workplaces. London: Longman.

26. Auer, Peter and Aldo Di Luzio (eds).1992. The Contextualization of Language. Amsterdam, The Netherlands: John Benjamins.

27. Knoblauch, Hubert and Helga Kotthoff (ed). 2001.Verbal Art across Cultures:The Aesthetics and Proto-Aesthetics of Communication.T¨ubingen,Germany: Narr.

28. Blommaert, Jan (ed). 1999. Language Ideological Debates. Berlin, Germany : Mouton de Gruyter.

29. Rumsey, Alan. 1990. Wording, meaning, and linguistic ideology. American Anthropologist 92: 346–361.

30. Mendoza-Denton,Norma.2008.Homegirls: Language and Cultural Practice among Latina Youth Gangs. Malden, Massachusetts: Blackwell.

31. Sidnell,Jack.2005.Talk and Practical Epistemology: TheSocial Life of Knowledge ina Caribbean Community. Amsterdam,The Netherlands:John Benjamins.

32. Bucholtz, Mary and Kira Hall. 2004a. Language and identity. In Alessandro Duranti(ed). A Companion to Linguistic Anthropology.Oxford,U.K.:Blackwell. 369–394.

33. Bucholtz, Mary and Kira Hall. 2005. Identity and interaction :A sociocultural linguistic approach. Discourse Studies 7:585–614.

34. Collins, James, and Richard K. Blot. 2003. Literacy and Literacies: Texts, Power, and Identity. Cambridge, U.K.: Cambridge University Press.

35. Agha, Asif. 1997. Tropic aggression in the Clinton-Dole Presidential debate. Pragmatics 7:461–497.

36. Chun, Elaine W. 2004. Ideologies of legitimate mockery : Margaret Cho's revoicings of Mock Asian. Pragmatics 14:263–289.

37. Schilling-Estes, Natalie. 1998. Investigating 'self-conscious' speech: The performance register in Okracoke English. Language in Society 27:53–83.

38. Goodwin, Charles. 1994. Professional vision. American Anthropologist 96 : 606–633.

39. Norris, Sigrid. 2004. Analyzing Multimodal Interaction:A Methodological Framework.NewYork: Routledge.

40. Agha, Asif. 2003 Registers of language. In Alessandro Duranti (ed). A Companion to Linguistic Anthropology.Oxford,U.K.:Blackwell .23–45.

41. Kiesling, Scott F. 2005. Variation,stance and style:Word-final-er, highrising tone, and ethnicity in Australian English. English World-Wide 26:1–42.

42. Auer ,Peter (ed). 1998. Code-Switching in Conversation: Language, Interaction, and Identity. London: Routledge.

43. Milroy, Lesley and Peter Muysken (eds). 1995. One Speaker, Two Languages : Cross-Disciplinary Perspectives on Code-Switching. Cambridge, U.K.: Cambridge University Press.

44. Heller, Monica and Alexandre Duchene. 2007. Discourses of Endangerment : Interest and Ideology in the Defence of Languages .London: Continuum.

45. Tsitsipis, Lukas D. 1998. A Linguistic Anthropology of Praxis and Language Shift:Arvanitika (Albanian) and Greek in Contact. Oxford, U.K.:Oxford University Press.

46. Eckert, Penelope. 2000. Language Variationas Social Practice. Oxford, U.K.: Blackwell.

47. Rampton, Ben(ed). 1999. Styling the other. Special issue of Journal of Sociolinguistics3(4).

48. Niedzielski,Nancy and Dennis R.Preston.1999.Folk Linguistics. Berlin, Germany: Mouton de Gruyter.

49. Blommaert,Jan(ed). 1999.Language Ideological Debates.Berlin,Germany: Mouton de Gruyter.

50. Woolard, Kathryn A., Bambi B. Schieffelin and Paul V. Kroskrity (eds). 1998. Language Ideologies: Practice and Theory.NewYork: Oxford University Press.

51. Jaworski, Adam, Nikolas Coupland and Dariusz Galasinski(eds). 2004. Metalanguage: Social and Ideological Perspectives. Berlin,Germany:Mouton de Gruyter.

52. Lucy, John A. (ed). 1993. Reflexive Language :Reported Speech and Metapragmatics. Cambridge,U.K.:Cambridge University Press.

53. Cameron, Deborah, Elizabeth Frazer, Penelope Harvey, Ben Rampton and Kay Richardson. 1992. Researching Language: Issues of Power and Method. London: Routledge.

54. Fairclough, Norman (ed).1992.Critical Language Awareness. London: Longman.

55. Rickford,John Russell.1997.Unequal partnership:Sociolinguistics and the African American speech community.Language in Society26:161–198.

56. Zentella, AnaCelia.1996.The'chiquitification'of U.S.Latinos and their languages; Or, why we need an anthropolitical linguistics. In Risako Ide, Rebecca Parker and Yukako Sunaosh(eds). Proceedings of the Third Annual Symposium About Language and Society – Austin. Texas Linguistic Forum 36. Austin, Texas : University of Texas Department of Linguistics.1–18.

57. Hall, Kira and Mary Bucholtz (eds). 1995. Gender Articulated :Language and the Socially Constructed Self.NewYork:Routledge.

58. Bucholtz, Mary, A. C. Liang and Laurel A. Sutton (eds). 1999. Reinventing Identities: The Gendered Self in Discourse. New York: Oxford University Press.

59. Livia, Anna and Kira Hall (eds). 1997. Queerly Phrased :Language, Gender, and Sexuality. NewYork:Oxford University Press.

60. Morrish, Elizabeth and Helen Sauntson. 2007. New Perspectives on Language and Sexual Identity.Basingstoke,U.K.:PalgraveMacmillan.

61. Harris, Roxy and Ben Rampton (eds).2003.The Language, Ethnicity, and Race Reader. London:Routledge.

62. Pagliai, Valentina and Marcia Farr(eds). 2000. Art and the expression of complex identities :Imagining and contesting ethnicity in performance. Special issue of Pragmatics10(1).

63. Bucholtz,Mary and Kira Hall.2004a.Language and identity.InAlessandro Duranti (ed). ACompanion to Linguistic Anthropology.Oxford,U.K.:Blackwell.369–394.

64. Bucholtz,Mary and KiraHall.2004b.Theorizing identityin language andsexuality research.Language in Society33:501–547.

65. Bucholtz, Mary and Kira Hall. 2005. Identity and interaction :A sociocultural linguistic approach .Discourse Studies 7:585–614.

66. Cameron, Deborah. 2000.Good to Talk?:Living and Working in a Communication Culture.London:Sage.

67. McElhinny, Bonnie(ed).2007.Words,Worlds, and MaterialGirls:Language,Gender, Globalized Economy.Berlin, Germany: Mouton de Gruyter.

68. Gal, Susan. 2001. Linguistic theories and national images in nineteenth-century Hungary.In Susan Gal and Kathryn A.Woolard (eds). Languages and Publics: The Making of Authority.Manchester,U.K.:St.Jerome.30–45.

69. Besnier, Niko.2007.Language and gender research at the intersection of the global and local.Gender and Language 1:67–78.

70. Coupland, Nikolas(ed). 2003. Sociolinguistics and Globalisation. Special issue of Journal of Sociolinguistics 7(4)

71. Silverstein,Michael.1985.Language and the cultureof gender:Attheintersection of structure,usage and ideology.In Elizabeth Mertz and Richard J.Parmentier (eds). SemioticMediation. Orlando, Florida: Academic Press. 219–259.

72. Woolard, Kathryn. 1985. Language variation and cultural hegemony: Toward an integration of sociolinguistic and social theory. American Ethnologist12: 738–748.

73. Errington, J. Joseph.1985.On the nature of the sociolinguistic sign: Describing the Javanese speech levels. In Elizabeth Mertz and Richard J. Parmentier (eds). Semiotic Mediation.Orlando,Florida:Academic Press.287–310.

74. Silverstein, Michael. 2003. Indexical order and the dialectics of sociolinguistic life. Language and Communication 23:193–229.

75. Gumperz, John J. 1964. Linguistic and social interaction in two communities. American Anthropologist 66(6,part2):137–153.

76. Labov,William.1972a.Sociolinguistic Patterns. Philadelphia, Pennsylvania: University of Pennsylvania Press.

77. Harrison, Annette R .2005.Naturalness in‘unnatural’ discourse: Observations from elicited West African personal narratives. In OlgaGriswold and Mouna Mana (eds). Crossroads of Language, Interaction, and Culture 6:29-58. .<http://www.humnet.ucla.edu/humnet/al/clic/articlefiles/2005/harrison2005.pdf>

78. Schilling-Estes, Natalie. 1998. Investigating‘self-conscious’speech: The

performance register in Okracoke English.Language in Society 27:53–83.

79. Briggs,Charles L.1986.Learning How to Ask:A Sociolinguistic Appraisal of the Roleof the Interview in Social Science Research.Cambridge,U.K.:Cambridge University Press.

80. Myers, Greg.2006.'Where areyou from?:'Identifying place.Journal of Sociolinguistics10:320–343.

81. Mondada, Lorenza. 2005.La demande d'autorisation comme moment structurant dans l'enregistrement et l'analyse desinteractions bilingues.Travaux neuchatelois de linguistique 43:129–155.

82. Speer, Susan A. 2002a. What can conversation analysis contribute to feminist methodology? :Putting reflexivity into practice. Discourse and Society 13 : 783–803.

83. van den Berg, Harry, Margaret Wetherell and Hanneke Houtkoop-Steenstra (eds). 2004. Analyzing Race Talk : Multidisciplinary Perspectives on the Research Interview.Cambridge,U.K.:Cambridge University Press.

84. Bucholtz,Mary.2003.Sociolinguistic nostalgia and the authentication ofidentity. Journal of Sociolinguistics 7:398–416.

85. Speer, Susan A. 2002a. What can conversation analysis contribute to feminist methodology? : Putting reflexivity into practice. Discourse and Society 13 : 783–803.

86. Briggs,Charles L.1986. Learning How to Ask:A Sociolinguistic Appraisal of the Roleof the Interview in Social Science Research.Cambridge,U.K.:Cambridge University Press.

87. Myers, Kristen. 2005. Racetalk: Racism Hiding in Plain Sight. Lanham, Maryland: Rowman and Littlefield.

88. van den Berg, Harry, Margaret Wetherell and Hanneke Houtkoop-Steenstra (eds). 2004. Analyzing Race Talk: Multidisciplinary Perspectives on the Research Interview.Cambridge,U.K.:Cambridge University Press.

89. Wetherell, Margaret and Jonathan Potter. 1992. Mapping the Language of Racism : Discourse and the Legitimation of Exploitation. New York :Columbia University Press.

90. Bucholtz,Mary and Sara Trechter(eds).2001.Discourses of whiteness.Special issue of Journal of Linguistic Anthropology 11 (1)

91. Pollock, Mica. 2005. Colormute : Race Talk Dilemmas in an American School. Princeton, New Jersey: Princeton University Press.

92. Frankenberg, Ruth.1993.White Women, Race Matters: The Social Construction of Whiteness. Minneapolis, Minnesota: University of Minnesota Press.

93. Fishman, Joshua A., Andrew W. Conrad and Alma Rubal-Lopez (eds). 1996. Post-Imperial English:Status Change in Former British andAmerican Colonies, 1940–1990.Berlin,Germany:Mouton de Gruyter.

94. Goke-Pariola, Abiodun. 1993. Language and symbolic power:Bourdieu and the legacy of Euro-American colonialism in an African society. Language and Communication 13:219–234.

95. Morrison, Keith and Icy Lui. 2000. Ideology, linguistic capital and the medium of instruction in HongKong. Journal of Multilingual and Multicultural Development21:471–486.

96. Grabe, William and Robert B. Kaplan. 1986. Science, technology, language, and infrmation :Implications for language and language-in-education planning. International Journal of the Sociology of Language 59:47–71.

97. Piller, Ingrid. 2003. Advertising as a site of language contact. Annual Review of Applied Linguistics 23:170–183.

98. Phillipson, Robert.1992.Linguistic Imperialism. London:Oxford University Press.

99. Skutnabb-Kangas, Tove. 2000. Linguistic Genocide in Education :Worldwide Diversity and Human Rights. Mahwah, New Jersey:Lawrence Erlbaum Associates.

100. Pennycook, Alastair. 2003. Beyond homogeny and heterogeny: Englishasa global and worldly language. In Christian Nair(ed.) The Politicsof Englishasa World Language. Amsterdam,The Netherlands: Rodopi.3–17.

101. Kachru,Braj B.1992.Models for non-native Englishes.In Braj B.Kachru (ed).The Other Tongue: English across Cultures. 2nd edition.Urbana, Illinois: University of Illinois Press.48–74.

102. Martin, Elizabeth. 2002. Cultural images and different varieties of English in French television commercials.English Today 18(4):8–20.

103. Bhatia, Tej. 2000. Advertising in Rural India: Language, Marketing Communication and Consumerism.Tokyo,Japan: Tokyo Press.

104. Piller,Ingrid. 2001. Identity constructions in multilingual advertising. Language in Society30:153–186.

105. Alim, H. Samy. 2004. Hip hop nation language. In Edward Finegan andJohnR. Rickford (eds). Language in the U.S.A.: Themes for theTwenty-First Century. Cambridge,U.K. : Cambridge University Press.387–409.

106. Meyerhoff, Miriam and Nancy Niedzielski. 2003. The globalisation of vernacular variation. Journal of Sociolinguistics 7: 534–555.

107. Gal,Susan. 1987. Code switching and consciousness on the European periphery. American Ethnologist14:637–653.

108. Woolard, Kathryn. 1985. Language variation and cultural hegemony :Toward an integration of sociolinguistic and social theory. American Ethnologist 12: 738–748.

109. Besnier, Niko. 2004. Consumption and cosmopolitanism: Practicing modernity at the second-hand marketplace in Nuku'alofa, Tonga. Anthropological Quarterly 77:7–45.

110. Besnier, Niko. 2007. Language and gender research at the intersection of the global and local. Gender and Language 1:67–78.

111. Leap, William L. and Tom Boellstorff (eds). 2004. Speaking in Queer Tongues : Globalization and Gay Language. Urbana, Illinois: University of Illinois Press..

112. Tannen, Deborah. 1989. Talking Voices :Repetition, Dialogue, and Imagery in Conversational Discourse. Cambridge, U.K.: Cambridge University Press.

113. Blom, Jan-Petter and John J. Gumperz. 1986 [1972]. Social meaning in linguistic structures :Code-switching in Norway. In John J. Gumperz and Dell Hymes (eds). Directions in Sociolinguistics: The Ethnography of Communication. New York: Blackwell. 407–434.

114. Hall, Kira. 2005. Intertextual sexuality: Parodies of class, identity, and desire in Delhi. Journal of Linguistic Anthropology 15: 125–144.

115. Meyerhoff, Miriam. 2003. 'But is it linguistics? :' Breaking down boundaries. Journal of Sociolinguistics 7: 65–77.

116. Sidnell, Jack. 2005. Talk and Practical Epistemology : The Social Life of Knowledge in a Caribbean Community. Amsterdam, The Netherlands :John Benjamins.

117. Woolard, Kathryn A., Bambi B. Schieffelin and Paul V. Kroskrity (eds). 1998. Language Ideologies: Practice and Theory. New York: Oxford University Press.

118. Heller, Monica and Alexandre Duchene. 2007. Discourses of Endangerment : Interest and Ideology in the Defence of Languages. London: Continuum.

119. Gumperz, John J. 1982. The sociolinguistics of interpersonal communication. In Discourse Strategies. Cambridge, U.K.: Cambridge University Press. 9–37.

120. Hymes, Dell. 1974. Foundations in Sociolinguistics: An Ethnographic Approach. Philadelphia, Pennsylvania: University of Pennsylvania Press.

121. Labov, William. 1972b. Language in the Inner City :Studies in the Black English Vernacular. Philadelphia, Pennsylvania: University of Pennsylvania Press.

122. Zentella, Ana Celia. 1996. The 'chiquitification' of U.S. Latinos and their languages; Or, why we need an anthropolitical linguistics. In Risako Ide, Rebecca Parker and Yukako Sunaoshi (eds). Proceedings of the Third Annual Symposium About Language and Society–Austin. Texas Linguistic Forum 36. Austin, Texas: University of Texas Department of Linguistics. 1–18.

123. Hymes, Dell. 1974. Foundations in Sociolinguistics: An Ethnographic Approach. Philadelphia, Pennsylvania :University of Pennsylvania Press.

124. Duranti, Alessandro. 1997. Linguistic Anthropology. Cambridge, U.K. :Cambridge University Press.

125. Goffman, Erving. 1976. Replies and responses. Language in Society 5:257–313.

126. Hymes, Dell. 1974. Foundations in Sociolinguistics: An Ethnographic Approach. Philadelphia, Pennsylvania: University of Pennsylvania Press.

127. Bucholtz, Mary. 1999. Bad examples: Transgression and progress in language and gender studies. In Mary Bucholtz, A. C. Liang and Laurel A. Sutton (eds). Reinventing Identities: The Gendered Self in Discourse. New York: Oxford University Press. 3–24.

128. Hall, Kira. 2003. Exceptional speakers : Contested and problematized gender identities. In Janet Holmes and Miriam Meyerhoff (eds). The Handbook of Language and Gender. Oxford, U.K.: Blackwell. 353–380.

129. Morgan, Marcyliena. 1999. No woman no cry: Claiming African American women's place. In Mary Bucholtz, A. C. Liang and Laurel A. Sutton (eds). Reinventing Identities :The Gendered Self in Discourse. New York :Oxford University Press. 27–45.

130. Holmes, Janet, Maria Stubbe and Meredith Marra. 2003. Language, humour and ethnic identity marking in New Zealand English. In Christian Mair (ed). The Politics of English as a World Language: New Horizons in Postcolonial Cultural Studies. Amsterdam, The Netherlands: Rodopi. 431–456.

131. Mendoza-Denton, Norma. 1999. Turn-initial no :Collaborative opposition among Latina adolescents. In Mary Bucholtz, A. C. Liang and Laurel A. Sutton(eds). Reinventing Identities :The Gendered Self in Discourse. New York:Oxford University Press. 273–292.

132. Zentella, Ana Celia. 1997. Growing up Bilingual: Puerto Rican Children in New York. Malden, Massachusetts: Basil Blackwell.

(Note: This article originally introduced a special 2008 issue of the Journal of Sociolinguistics on the importance of taking an interdisciplinary approach to research on language and society. This interdisciplinary approach is what Mary Bucholtz and Kira Hall have called "sociocultural linguistics".)